Regd. # MC-1366
دینی اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار
•جلد 12 / •شمارہ 5 / •نومبر 2022

ماہنامہ

فہمِ دین

مسلمانوں کا جذبہ اخوت

جستجو کیا ہے

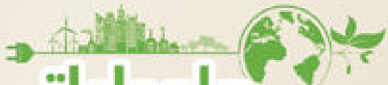

ماحولیاتی تبدیلی

آزمائش

معافی!!!!

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

91400056741

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

BAITUSSALAM

ماہنامہ

فہمِ دین

کراچی

نومبر 2022

فہمِ وفکر

وطنِ عزیز میں عدمِ استحکام کیوں؟ — مدیر کے قلم سے — 04

اصلاحی سلسلہ

فہمِ قرآن — شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم — 05

فہمِ حدیث — مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ — 06

آئینہ زندگی — حضرت مولانا عبد الستار حَفِظَہُ اللّٰہ — 08

مضامین

امانت — حذیفہ رفیق — 10

علماء کا مقام — عبد المتین — 11

فحاشی و عریانی کا سیلاب — محمد طیب — 12

تصویرِ کائنات — بینش احمد — 14

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا — ندا اختر — 15

بچوں کی تربیت — ام عبد اللہ — 16

مسائل پوچھیں اور سیکھیں — مفتی محمد توحید — 17

املی — حکیم شمیم احمد — 18

خواتینِ اسلام

لوگ ٹوٹ جاتے ہیں۔۔۔ — مہوش کرن — 21

معافی — محمد فیصل — 22

آزمائش — انعم توصیف — 23

آگہی کا در — ام نسیبہ — 26

بلاعنوان — عمارہ فہیم — 27

حرام مال — مہوش اسد — 28

باغچہ اطفال

بہارِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — ڈاکٹر الماس روحی — 30

تو شاہیں ہے — قرۃ العین خرم — 31

فیرولینڈ — احمد رضا انصاری — 33

صبا کا صابن — حفصہ فیصل — 34

قومی درخت — سمیرا انور — 35

جستجو کیا ہے؟ — تنزیلہ احمد — 36

ماحولیاتی تبدیلی — فوزیہ خلیل — 38

بزمِ ادب

درسِ عبرت — حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ — 42

گلدستہ — شیخ ابوبکر، عبد الرحمن چترالی — 44

اخبار السلام

اخبار السلام — 46

زیرِ سرپرستی

حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	قاری عبد الرحمن
نظرِ ثانی	طارق محمود
تزئین و آرائش	فیضان الحق شمسی

آراء و تجاویز کے لیے
0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

خط و کتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے
26-C گراؤنڈ فلور بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرِ تعاون

فی شمارہ	50 روپے
سالانہ برائے کراچی	750 روپے
سالانہ اندرونِ ملک	
عام ڈاک	750 روپے
رجسٹرڈ پیکٹ	1250 روپے
سالانہ بیرونِ ملک	55 ڈالر

ناشر	طابع	مقامِ اشاعت
فیصل زبیر	واسا پرنٹر	دفتر فہمِ دین

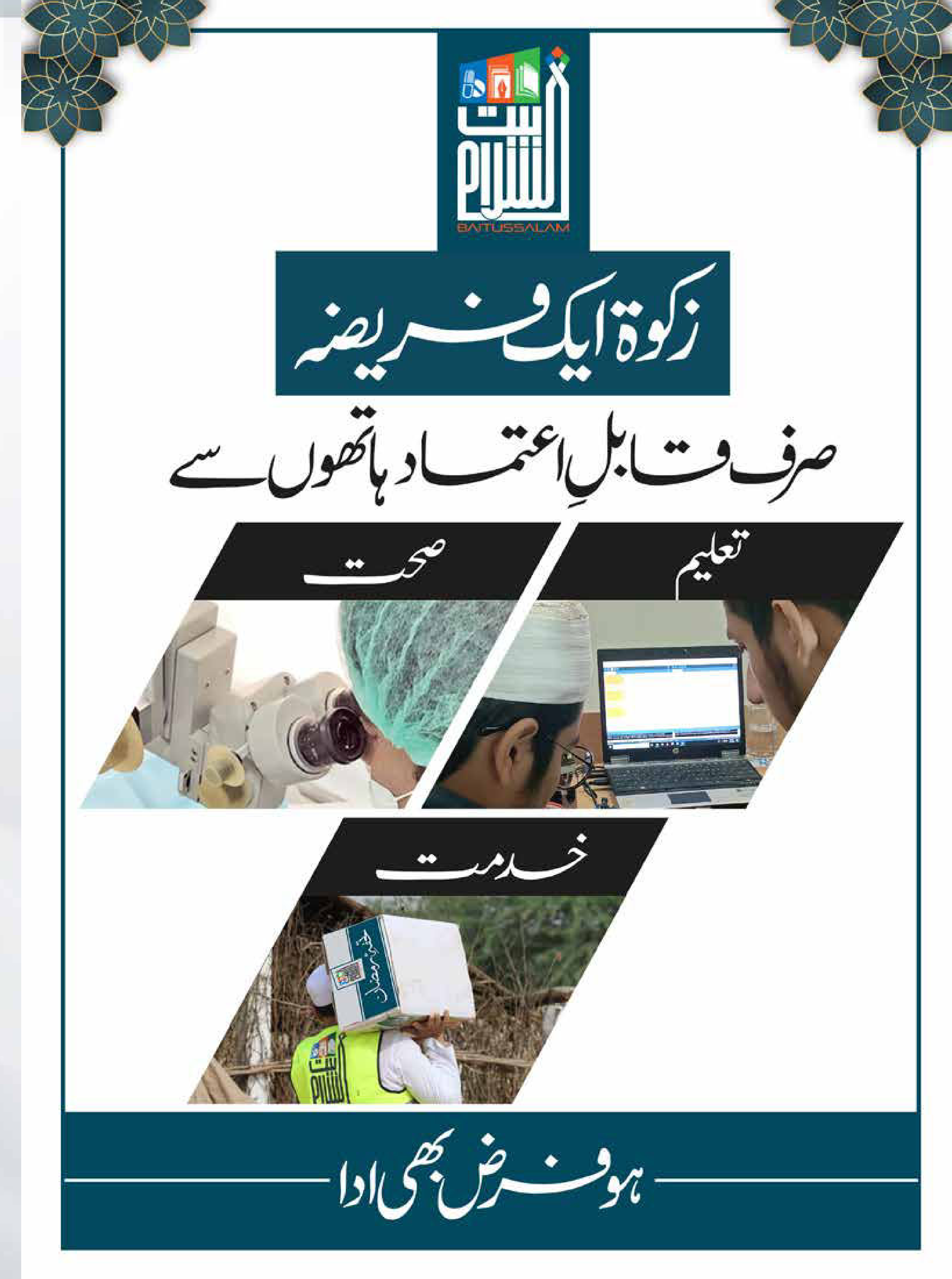

مدیر کے قلم سے

وطنِ عزیز میں عدمِ استحکام کیوں؟

پاکستان کو بنے 75 سال ہو گئے ہیں، مگر ابھی تک یہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکا۔ انگریز اس کو بنانا ہی نہیں چاہتا تھا، جب اسے قیامِ پاکستان کے صرف ایک سال بعد قائدِ اعظم محمد علی جناح کے انتقال کی خبر ملی تو وہ کہنے لگا: اگر ہمیں مسٹر جناح کی بیماری اور اس کی وجہ سے اتنی جلدی انتقال کی معمولی سی بھی بھنک پڑ جاتی تو ہم کبھی پاکستان نہ بننے دیتے۔ اور جب بنا، تب سے اب تک اس میں عدمِ استحکام کے لیے کوشاں ہیں۔ ملک دو لخت کیا، صوبوں میں پاکستان مخالف تحریکوں کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ آج کل سیاسی درجہ حرارت اتنا بڑھا دیا کہ ملکی سالمیت داؤ پر لگتی نظر آ رہی ہے۔

مگر یہ عدمِ استحکام اور بے یقینی کی کیفیت کیوں ہے؟ ایک بنیادی وجہ تو یہی ہے کہ ہم ہی قوم نہیں بن سکے اور اچھی قیادت کا فقدان رہا، لہٰذا ہم اپنے وطنِ عزیز کو کسی بھنور سے نکالنے میں کام یاب ہو نا تو در کنار، بلکہ اُلٹا اسے دَلدَل میں دھکیلنے میں لگے ہوئے ہیں، لیکن دوسری طرف دشمن اور دُنیا بھر کا کفر بھی ہمارے ملک میں عدمِ استحکام کے لیے کوشاں ہے، مگر اس میں اسے کیا دِل چسپی ہے؟ یہ سوال ہمارے سوچنے کا ہے۔

کیا ہمارے پاس پیٹرول کی دولت ہے، جسے وہ چھیننا چاہتا ہے؟ کیا ہمارے پاس کوئی ایسی معدنیات ہے، جس پر قبضے کا وہ حریص ہے؟ کیا ہمارے ہاں خوشحال آبادی کروڑوں میں ہے، جو اُن کی مصنوعات کے لیے اچھے خریدار بن سکتے ہوں؟ ظاہر ہے ان سب سوالات کا جواب نفی میں ہے۔ بلکہ الٹا ہم دُنیا پر بوجھ ہیں۔ ہم دُنیا کو کچھ دے نہیں رہے، بلکہ دُنیا کے ہر ملک سے کشکول ہاتھ میں تھامے کچھ نہ کچھ لے ہی رہے ہیں۔ اتنا تہی دست اور تہی دامن ہونے کے باوجود آخر دُنیا بھر کا کفر اور امریکی صدر وطنِ عزیز پاکستان کو خطرناک ترین ملک کیوں سمجھتے ہیں؟

پھر بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ایٹم بم ہے، اس وجہ سے وہ ہمیں خطرناک سمجھتے ہیں، مگر ہمارا خیال ہے کہ بات صرف اتنی نہیں ہے، اس لیے کہ ہتھیار بذاتِ خود تھوڑا خطرناک ہوتا ہے۔ اگر ہتھیار ہو ہی اپنے محافظ کے ہاتھ میں اور اپنی ہی فوج کے پاس ہو اور اپنے ہی پارٹنر کے پاس ہو تو پھر وہ خطرے کی چیز تھوڑی ہوتی ہے، بلکہ اُس کی وجہ سے تو بندہ پُرسکون ہو جاتا ہے کہ کوئی میری طرف میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکے گا۔ بہ ظاہر ہمیں امریکی کالونی سمجھا جاتا ہے، ہونا یہ چاہیے تھا کہ وہ ہم سے مطمئن ہوتا، مگر ایسا نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وجہ کچھ اور ہے اور دستیاب معلومات اور نظر آنے والے حالات کی وجہ سے ہمیں یہ سمجھ پائے ہیں کہ وہ مذاہب کا فرق اور تہذیبوں کا تصادم ہے، پھر تہذیب بھی کوئی الگ چیز نہیں ہے، بلکہ اس کی بنیاد بھی مذہب ہے۔

اسلامی تہذیب کی بنیاد اسلام ہے اور اسلام نے دُنیا کے بڑے حصے پر لگ بھگ بارہ صدیاں حکومت کی ہے۔ عیسائیت، مغرب اور یورپ عرصہ دراز تک عباسی اور پھر عثمانی سلطنت کی فتوحات سے خائف رہا ہے۔ سلطان محمد الفاتح یہ عثمانی سلطنت کے ہی سپوت اور فرماں روا تھے، جنہوں نے عیسائیوں سے ان کا پایہ تخت قسطنطنیہ چھین لیا تھا اور آج تک یہ علاقہ مسلمانوں کا باج گزار بنا ہوا ہے۔ صلاح الدین ایوبی یہ مسلم سپہ سالار ہی تھے جنہوں نے صرف 90 سال بعد 1187 میں عیسائیوں اور صلیبیوں سے بیت المقدس دوبارہ چھین لیا تھا، جسے وہ آج تک دوبارہ حاصل نہ کر سکے۔ پھر اسلام کی تہذیب زرخیز ہے، اس میں زندگی ہے، اس میں بہترین خاندانی نظام ہے، اس میں ایسا معاشی نظام ہے، جو سُود اور ہر قسم کے ظلم سے پاک ایک معتدل نظام ہے، جو استحکام کی ضمانت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ ”ملک و ملت کی ترقی میں مولوی اور مُلّا سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔“ اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ کماتے نہیں ہیں، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اسلام کو زندہ رکھا ہوا ہے، انھوں نے مساجد اور مدارس کو آباد کر رکھا ہے، جن گھرانوں کا تعلق کسی بھی طرح سے مساجد اور مدارس سے ہے، وہ اسلامی تہذیب، اور اسلامی تشخص کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ مغربی دباؤ کے باوجود مدارس و مساجد میں اسلامی نظامِ تعلیم مکمل آزاد ہے اور اسلامی تہذیب کی یہ ترو تازگی ہی وہ بنیادی وجہ ہے جس سے مغرب خائف ہے اور اس کے ختم کرنے کے درپے ہے اور ایسے خطے کو اپنے لیے خطرے کی گھنٹی سمجھتا ہے، ورنہ وہ ممالک جن میں اسلام کا نام تو باقی ہے، مگر اسلام کی شناخت کو وہ پسِ پشت ڈال چکے ہیں۔ آپ دُنیا بھر میں دیکھ لیں، مغرب ایسے ممالک کو نہ اپنے لیے خطرہ سمجھتا ہے، نہ اُن میں عدمِ استحکام پیدا کرتا ہے، بلکہ وہ ممالک تو مغربی مصنوعات کی منڈیاں ہیں، پیسا مسلمانوں کا ہے اور مصنوعات مغرب کی ہیں، جوانیاں مسلمانوں کی ہیں اور تہذیب مغرب کی ہے۔

قارئینِ گرامی! ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ مغرب کی دِل چسپی اس خطے میں کسی مادی مفاد کی وجہ سے نہیں، بلکہ اسلامی نظام سے خائف ہو کر ہے، وہ سوشل میڈیا کے ذریعے، بعض انگریزی اسکولوں کے ذریعے اور بعض سیکولر این جی اوز کے ذریعے منبر و محراب سے ہماری تعلق کو کم زور کرنا چاہتے ہیں، مساجد اور مدارس کے اسلامی نظامِ تعلیم کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور مُلّا اور مسٹر کی تفریق کو بڑھا وا دے کر ان میں نفرت کی دیواریں کھڑی کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ اپنے ناپاک عزائم میں کام یاب ہو سکیں۔ ہمیں ان سازشوں کو سمجھنا چاہیے اور ہر طرح کے ہتھکنڈوں اور پروپیگنڈوں کے باوجود منبر و محراب سے اپنے تعلق کو برقرار رکھنا چاہیے، مضبوط کرنا چاہیے بلکہ بڑھانا چاہیے تاکہ ہماری نسلوں کا ایمان محفوظ رہے اور وطن عزیز اسلام کا قلعہ اور محافظ بنا رہے۔ والسلام

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

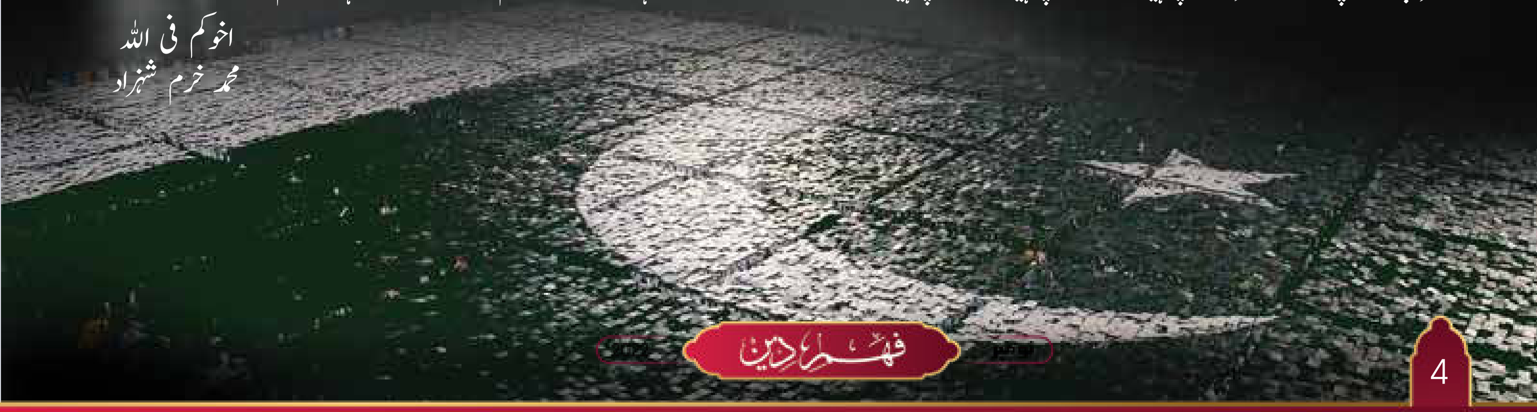

فہمِ قرآن

المائدہ 4-5

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَا ذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④

ترجمہ: لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کون سی چیزیں حلال ہیں؟ کہہ دو کہ تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم نے اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق سکھا سکھا کر (شکار کے لیے) سدھا لیا ہو، وہ جس جانور کو (شکار کر کے) تمہارے لیے روک رکھیں، اس میں سے تم کھا سکتے ہو اور اس کا نام لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ ④

تشریح نمبر 1: شکاری جانوروں مثلاً شکاری کتوں اور باز وغیرہ کے ذریعے حلال جانوروں کا شکار کر کے انھیں کھانا جن شرائط کے ساتھ جائز ہے، ان کا بیان ہو رہا ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ شکاری جانور کو سدھا لیا گیا ہو، جس کی علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ جس جانور کا شکار کرے اسے خود نہ کھائے، بلکہ اپنے مالک کے لیے روک رکھے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ شکار کرنے والا شکاری کتے کو کسی جانور پر چھوڑتے وقت اللہ کا نام لے، یعنی بسم اللہ پڑھے۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ⑤

ترجمہ: آج تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور جن لوگوں کو (تم سے پہلے) کتاب دی گئی تھی، ان کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے، نیز مؤمنوں میں سے پاک دامن عورتیں بھی اور اہلِ کتاب میں سے پاک دامن عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں، جب کہ تم نے ان کو نکاح کی حفاظت میں لانے کے لیے ان کے مہر دیے ہوئے ہوں، نہ تو (بغیر نکاح کے) صرف ہوس نکالنا مقصود ہو اور نہ خفیہ آشنائی پیدا کرنا اور جو شخص ایمان سے انکار کرے، اس کا سارا کیا دھرا غارت ہو جائے گا اور آخرت میں اس کا شمار خسارہ اٹھانے والوں میں ہو گا۔ ⑤

تشریح نمبر 2: کھانے سے یہاں مراد ذبیحہ ہے۔ اہلِ کتاب یعنی یہودی اور عیسائی چوں کہ جانور کے ذبح میں انہی شرائط کی رعایت رکھتے تھے جو اسلامی شریعت میں مقرر ہیں اور وہ دوسرے غیر مسلموں سے اس معاملے میں ممتاز تھے کہ فی الجملہ آسمانی کتابوں کو مانتے تھے، اس لیے ان کے ذبح کیے ہوئے جانور مسلمانوں کے لیے جائز قرار دیے گئے تھے، بشرطیکہ وہ جانور کو صحیح شرعی طریقے سے ذبح کریں اور اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام نہ لیں۔ آج کل کے یہودیوں اور عیسائیوں میں ایک بڑی تعداد تو ان لوگوں کی ہے جو در حقیقت دہریے ہیں، خدا ہی کے قائل نہیں ہیں، ایسے لوگوں کا ذبیحہ بالکل حلال نہیں ہے اور ان میں سے بعض اگرچہ عیسائی یا یہودی ہیں، مگر اپنے مذہب کے احکام کو چھوڑے ہوئے ہیں اور ذبح کرنے میں شرعی شرائط کا لحاظ نہیں کرتے، اس لیے ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے۔ اس مسئلے کی پوری تحقیق میرے والد ماجد مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تفسیر ”معارف القرآن“ اور ”جواہر الفقہ“ میں موجود ہے، نیز میرا بھی عربی رسالہ ”احکام الذبائح“ اسی موضوع پر ہے، اس کا انگریزی ترجمہ بھی شایع ہو چکا ہے۔

تشریح نمبر 3: اہلِ کتاب کی دوسری خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ ان کی عورتوں سے نکاح بھی حلال ہے، لیکن یہاں بھی دو اہم نکتے یاد رکھنے ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حکم ان یہودی یا عیسائی خواتین کا ہے جو واقعی یہودی یا عیسائی ہوں، جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، مغربی ممالک میں بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ مردم شماری کے حساب سے تو انھیں عیسائی یا یہودی گنا گیا ہے، لیکن نہ وہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں، نہ کسی پیغمبر یا کسی آسمانی کتاب پر، ایسے لوگ اہلِ کتاب میں شامل نہیں ہیں، نہ ان کا ذبیحہ حلال ہے اور نہ ایسی عورتوں سے نکاح حلال ہے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اگر کوئی عورت واقعی یہودی یا عیسائی ہو، لیکن اس بات کا قوی خطرہ ہو کہ وہ اپنے شوہر یا بچوں پر اثر ڈال کر انھیں اسلام سے دور کر دے گی تو ایسی عورت سے نکاح کرنا گناہ ہو گا، یہ اور بات ہے کہ اگر کسی نے نکاح کر لیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا اور اولاد کو حرام نہیں کہا جائے گا۔ آج کل چوں کہ مسلمان عوام میں اپنے دین کی ضروری معلومات اور ان پر عمل کی بڑی کمی ہے، اس لیے اس معاملے میں بہت احتیاط لازم ہے۔

فہم حدیث

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

توبہ واستغفار کی حقیقت

دعا ہی کی ایک خاص قسم استغفار ہے، یعنی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں اور قصوروں کی معافی اور بخشش مانگنا اور توبہ گویا اس کے لوازم میں سے ہے، بلکہ یہ دونوں ہی آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ جو گناہ اور نافرمانی یا ناپسندیدہ عمل بندے سے سرزد ہو جائے، اس کے برے انجام خوف کے ساتھ اس پر دلی رنج و ندامت ہو اور آیندہ کے لیے اس سے بچے رہنے اور دور رہنے کا اور اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور اس کی رضاجوئی کا وہ عزم اور فیصلہ کرے۔

توبہ واستغفار بلند ترین مقام

مقبولین و مقربین کے مقامات میں سب سے بلند مقام عبدیت اور بندگی کا ہے اور دعا چوں کہ عبدیت اور بندگی کا سب سے اعلیٰ مظہر ہے، بلکہ ارشادِ نبوی ﷺ کے مطابق وہی ''مُخُّ الْعِبَادَة'' (یعنی بندگی اور عبادت کا مغز اور جوہر ہے) اس لیے انسانی اعمال واحوال میں سب سے اکرم و اشرف دعا ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لَيْسَ شَيْءٌ اَكْرَمَ عَلَى اللهِ مِنَ الدُّعَا'' (اللہ کے ہاں کوئی چیز دعا سے زیادہ عزیز اور قیمتی نہیں ہے۔)

توبہ واستغفار کے باب میں رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَاللهِ اِنِّيْ لَاَسْتَغْفِرُ اللهَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خدا کی قسم! میں دن میں ستر دفعہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ واستغفار کرتا ہوں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور جلال و جبروت کے بارے میں جس بندے کو جس درجہ کا شعور واحساس ہو گا، وہ اسی درجہ میں اپنے آپ کو ادائے حقوقِ عبدیت میں قصور وار سمجھے گا اور رسول اللہ ﷺ کو چوں کہ یہ چیز بدرجہ کمال حاصل تھی، اس لیے آپ ﷺ پر یہ احساس غالب رہتا تھا کہ عبودیت کا حق ادا نہ ہو سکا، اسی واسطے آپ ﷺ بار بار اور مسلسل توبہ واستغفار فرماتے تھے اور اس کا اظہار فرما کر دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَحْسَنُوْا اِسْتَبْشِرُوْا وَاِذَا اَسَاؤُا اسْتَغْفِرُوْا (رواہ ابن ماجۃ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے: ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَحْسَنُوْا اِسْتَبْشِرُوْا وَ اِذَا اَسَاؤُا اسْتَغْفِرُوْا'' (اے اللہ! مجھے اپنے ان بندوں میں سے کر دے جو نیکی کریں تو خوش ہوں اور ان سے کوئی غلطی اور برائی سرزد ہو جائے تو تیرے حضور میں استغفار کریں)۔

تشریح: کسی بندے کو ان اچھے اعمال کی توفیق ملنا جن کے صلہ میں جنت اور رضائے الٰہی کا وعدہ ہے، اس بات کی علامت اور نشانی ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت ہے، اس لیے اس کا حق ہے اور اس کو چاہیے کہ وہ اعمالِ حسنہ کی اس توفیق پر خوش ہو اور شکر ادا کرے۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے: قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا اللہ کے فضل اور اس کی عنایت پر اس کے بندوں کو خوش ہونا چاہیے۔

اسی طرح جب کسی بندے سے چھوٹی بڑی معصیت یا لغزش ہو جائے تو اسے اس کا رنج اور دکھ ہونا چاہیے اور فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا چاہیے، جس بندے کو یہ دونوں باتیں حاصل ہوں، وہ بڑا خوش نصیب ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود اپنے لیے دعا فرماتے تھے کہ ''اللہ تعالیٰ مجھے بھی یہ دونوں باتیں نصیب فرمائے۔''

گناہوں کی سیاہی اور توبہ واستغفار سے اس کا ازالہ

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ كُلُّ بَنِيْ اٰدَمَ خَطَّاءٌ وَ خَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر آدمی خطا کار ہے (کوئی نہیں ہے جس سے کبھی کوئی خطا اور لغزش نہ ہو) اور خطا کاروں میں وہ بہت اچھے ہیں جو (خطا و قصور کے بعد) مخلصانہ توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جائیں۔

مرنے والوں کے لیے سب سے بہتر تحفہ استغفار

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِي الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ اَنّٰى لِيْ هٰذِهٖ فَيَقُوْلُ بِاِسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت میں کسی مردِ صالح کا درجہ ایک دم بلند کر دیا جاتا ہے تو وہ جنتی بندہ پوچھتا ہے کہ اے پروردگا! میرے درجہ اور مرتبہ میں یہ ترقی کس وجہ سے اور کہاں سے ہوئی؟ جواب ملتا ہے کہ تیرے واسطے تیری فلاں اولاد کے دعائے مغفرت کرنے کی وجہ سے۔

مسلمانوں کا جذبہ اخوت

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ اِلَّا تَفۡعَلُوۡهُ تَكُنۡ فِتۡنَةٌ فِى الۡاَرۡضِ وَفَسَادٌ كَبِيۡرٌ اللہ رب العزت کا پیغام ہے کہ جن کے پاس ایمان نہیں اور جن کے پاس توحید کا پیغام نہیں ہے، وہ تو اپنی مشکل گھڑیوں میں ایک دوسرے کا سہارا بنتے ہیں اور وہ باہم دست و بازو کندھے سے کندھے ملا کر کھڑے ہوتے ہیں۔

اِلَّا تَفۡعَلُوۡهُ مسلمانوں تمہارے پاس تو توحید کا پیغام ہے، تم تو اسلامی برادری کے رشتے سے جڑے ہوئے ہو، تمہارا تو ایک قبیلہ اور ایک برادری ہے، ایک مقدس رشتہ ہے تمہیں جو تمہارا پیغمبر دے گیا ہے اسلامیت کا۔ اگر تم ایک دوسرے کا سہارا نہ بنے اور ایک دوسرے کی مدد کے لیے کھڑے نہ ہوئے اور ایک دوسرے کے لیے سچی خیر خواہی اور خیر اندیشی کا اہتمام نہ کیا۔

اِلَّا تَفۡعَلُوۡهُ تَكُنۡ فِتۡنَةٌ فِى الۡاَرۡضِ وَفَسَادٌ كَبِيۡرٌ

پھر زمین میں بہت بڑا فتنہ اور فساد برپا ہوگا۔ یہ مقدّس رشتہ جو اسلامیت کی شکل میں اسلامی برادری کی صورت میں امتِ مسلمہ کی شکل میں تمہیں ملا ہے، اگر اس کے حقوق ادا نہ کیے اور اس رشتے کا لحاظ نہ کیا، پھر دنیا کو فساد سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا: جس کو مسلمانوں کی مشکلات اور مسائل کی فکر نہ ہو، اس کا مسلمان امت سے کوئی تعلق نہیں، جس کو مسلمانوں کے مسائل، مصائب اور پریشانیوں کا احساس نہ ہو، بے پرواہ ہو، اللہ کے نبی ﷺ فرمانے لگے کہ اس کا اس امت سے کوئی تعلق نہیں اور جس کی صبح شام یوں ہو رہی ہے کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا اور اللہ کی کتاب کا اور امام المسلمین کا اور عام مسلمانوں کا سچا وفادار اور خیر خواہ اور خیر اندیش مسلمانوں کا نہیں، اس کا کبھی اس امت سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک طرف اللہ کا یہ ارشاد ایک طرف نبی ﷺ کی یہ ہدایت اور کس طرح مسلمانوں نے اپنے اللہ اور اس کے رسول کا یہ ارشاد پسِ پشت ڈال رکھا ہے کہ یہ ایک رشتہ تھا، ایک مقدّس رشتہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلۡمُؤۡمِنُوۡنَ كَجَسَدٍ وَّاحِدٍ ”اہلِ ایمان تو ایک جسم کی مانند ہیں۔“ یہ ایک جان اور جسم کے وجود کا نام ہے اور اس امت کے تمام افراد اس جسم کے اعضا ہیں اور جوارح ہیں اور جب کسی ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو تمام جسم اس درد اور تکلیف کو محسوس کرتا ہے تو مسلمان کہیں مصائب میں گھرے ہوں، مسلمان کہیں تکلیف میں ہوں اور دوسرا مسلمان اس سے بالکل لاپرواہ ہو، یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب جسم کے کسی حصے پر فالج گر جائے تو وہ دوسرے حصے کی چبھن محوس نہیں کرتا اور جسم کے دوسرے حصے کی تکلیف محسوس نہیں کرتا اور کسی دوسرے عضو کے درد کا احساس نہیں ہوتا، فالج جو گرا ہوا ہے، جب اس کے ایمان اور اسلام پر نفس پرستی، وطن پرستی، قوم پرستی، لسانیت پرستی یا دنیا پرستی کا فالج گرا ہے، اب یہ دنیا میں مسلمانوں کے درد او تکلیف کو محسوس نہیں کرے گا، پھر اسے فکر نہیں ہوگی، پھر یہ بے حِس ہوگا، پھر اسے اس مقدس رشتے کا لحاظ نہیں رہے گا۔

اِلَّا تَفۡعَلُوۡهُ تَكُنۡ فِتۡنَةٌ فِى الۡاَرۡضِ وَفَسَادٌ كَبِيۡرٌ

اگر مسلمان ایک دوسرے مسلمان کے لیے سہارا نہ بنا اور ان کی مدد کے لیے نہ کھڑا ہوا اور اس کا مخلص خیر خواہ اور خیر اندیش نہ بنا اور مسلمان برادری کا سچا وفادار نہ بنا، پھر دنیا میں فساد ہے، پھر دنیا میں فتنہ ہے، اس رشتے کے لحاظ اس کا تقدّس کا خیال نہیں، اسلامیت نکل گئی، لسانیت آگئی، نسل کا وجود آگے آگیا، قومیت کا وجود آگے آگیا، رنگ نسل کی اہمیت بڑھ گئی، جغرافیائی تقسیم کی اہمیت بڑھ گئی، زمین کے ٹکڑوں کی اہمیت بڑھ گئی، تقدس ختم ہو گیا رشتے کا۔۔۔ اللہ رب العزت فرما رہے ہیں یہ اس امت کی پستی کا نام ہے۔

اس امت کی ایک قوت تھی، اس کی ایک طاقت تھی، اس کا ایک عروج تھا، اس کی ایک عزت تھی، وہ سب اس رشتے کی بدولت تھی۔

وَلَا تَهِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ غم نہ کرو، ہمت نہ ہارو، سر بلند تم ہی رہو گے۔ قیمت تو لے کر آؤ، ایمان یہ دولت تو دکھاؤ، ایمان اس ایمانی رشتے پر جو تعلق ہے مسلمانوں میں اس کا اظہار تو کرو، پھر دیکھو تم کیسے سر بلند رہتے ہو۔ ماضی میں جب مسلمانوں کی مردم شماری ہوئی پانچ سو، سات سو دوسری مردم شماری بارہ سو یا پندرہ سو، لیکن سبحان اللہ! وہ تعداد تھوڑی تھی، لیکن یک جان تھے، ایک جسم کی مانند تھے تو دنیا نے دیکھا ایمان کی زندگی اسلامیت کے رشتہ کا لحاظ ایسا تھا کہ دنیا میں اس کی مثال نہیں، پھر جدھر قدم اٹھاتے ہیں عزت کے اور کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیتے ہیں۔ ایمانی زندگی سے ایک انچ بھی دست بردار نہیں تھے۔ اسلامیت کا رشتہ سبحان اللہ! یہ مدینے سے، یہ مکہ سے، یہ قریشی، یہ بنو امیہ، یہ فلاں قبیلہ، یہ فلاں تہذیب کا، یہ فلاں علاقے کا، یہ فلاں قوم کا، لیکن مدینے کی گلیوں میں یوں لگتا ہے جیسے ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ بلال حبشہ سے تھا، صہیب روم سے تھا، سلمان فارس سے تھے، کوئی کہیں کا، کوئی کہاں کا، لیکن ایسا لگتا جیسے سب ایک ماں کا دودھ پینے والے ہیں، ایک چھت تلے ان کی پرورش ہوئی ہے، اسلامیت کے اس مقدس رشتے نے انھیں ایسے بھائی چارے کی لڑی میں پرو دیا تھا۔ سچی خیر خواہی ایک دوسرے کے لیے خیر اندیش سہارا مددگار دنیا نے دیکھا تھا، کہاں رہی اس وقت کی سپر طاقتیں روم اور کسریٰ۔۔۔ سب ان کے قدموں کی گرد بنیں۔ ایمان تھا اور ایمانی رشتے کا لحاظ تھا۔ ہم سمجھیں نہ سمجھیں، باطل خوب سمجھتا ہے اس امت کی طاقت کا اصل وزن اس کا اسلامیت پر آنا اور اسلامی رشتے کا تقدس کے خیال کا پیدا ہونا ہے۔ ہم سمجھیں نہ سمجھیں اہلِ باطل نے جس نے اسلامی زندگی سے شکست کھائی ہے، وہ خوب جانتا ہے، اگر اس قوم کو عزت اور سعادت کے قدموں سے پیچھے رکھنا ہے، منزل سے پیچھے رکھنا ہے تو اسے اسلامیت سے محروم کر دو اور اس اسلامی رشتے کے تقدس سے محروم کر دو، یہ ٹکڑوں میں بٹ جائیں، گرہوں میں بٹ جائیں، تقسیم در تقسیم ہو جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہدایت ہے کہ جس کو مسلمانوں کے حالات کی، مصائب کی فکر نہیں، اس کا اس امت سے کیا تعلق ہے؟ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ سر میں درد ہو اور جسم کے باقی اعضا بے پرواہ ہوں، ایسا بھی ہو سکتا ہے جسم کا ایک عضو تکلیف میں ہو اور دوسرے اعضا و جوارح سکون سے رہیں، ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ وہ مبارک رشتہ ہے میرے عزیزو! وہ اس مسلم کے بدخواہ ہیں، وہ اس امت کے دشمن ہیں، وہ مسلمانوں کو پستی اور ذلت کی طرف لے کر جاتے ہیں جو سلمانوں میں نفرتوں کا بیج بوتے ہیں۔ مسلمانوں کی تقسیم کو فروغ دیتے ہیں، وہ حقیقت میں اس امت کے دشمن ہیں، مسلمانوں کی عزت کے دشمن ہیں۔ وہ حقیقی بدخواہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی ان مبارک تعلیمات سے ملسمانوں کو دور رکھتے ہیں۔ یہ تو ایک اخوت کا رشتہ ہے مسلمانوں کے پاس اور اگر یہ سچ ہے کہ آج دنیا میں مسلمان مسلمان کے لیے کھڑا ہوتا تو اسے کفار کے قدموں میں ذلیل و رسوا ہونے کی ضرورت نہیں، یہ بھکاری ان کے قدموں میں جا کر نہ بنتا، لیکن انھوں نے پہلے تقسیم کیا، ٹکڑوں میں تقسیم کیا اور مسلمان نادانی میں وہ کر بیٹھا جو ان کی منشا اور چاہت تھی اور آج وہ اسے ہر قدم پر ذلیل و رسوا کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی اتنی بڑی طاقت نہیں تھی روئے زمین پر، مسلمانوں کی زمین کے ٹکڑوں پر ان کے ملکوں کے جھنڈے لہرا رہے ہیں جو خزانے ہیں ان کے پاس، ماضی میں ان کا تصور نہیں تھا، لیکن ایسا ہے جیسے چھلکا ہو گری نہ ہو، چھلکا ہو بیچ میں مغز نہ ہو، جسم ہے مردم شماری میں، تعداد میں گنتی میں مسلمان ہے، لیکن اندر روح نہیں ہے اسلامیت کی، اندر وہ ایمان کا مغز نہیں ہے، بے جان ہے، بے روح ہے، سر سے لے کر پاؤں تک لگتا نہیں مسلمانیت کے سانچے میں ہیں، یہ تو بسا اوقات مسلمانوں کے لیے دھبہ لگتے ہیں، رسوائی اور شرمندگی کا باعث لگتے ہیں۔

تو اسلامیت اسلام اور اسلامیت کا جو رشتہ ہے، یہ اس امت کی اصل طاقت ہے، یہ اصل اس امت کے عروج کا قدم ہے تو میرے عزیزو! جائزہ، احتساب اپنے نبی کے اس ارشاد کا، ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے رکھیں کہ مسلمان وہ ہے جو اپنے مسلمان بھائی کا خیر خواہ ہوتا ہے، جو اس سے بن پاتا ہے، وہ کرتا ہے اور کچھ بھی نہیں بن پاتا تو دعائیں تو کر سکتا ہے، بے چین ہو کر دعائیں تو کر سکتا ہے۔ اللہ کے آگے گڑ گڑا تو سکتا ہے ناں۔۔۔ میں آپ کو اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد سناتا ہوں:

حضرت حذیفہؓ فرمانے لگے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے بتایا ہے کہ اللہ کہتا ہے میں اللہ ہوں اور میں بادشاہوں کا حاکم ہوں، ملک الملوک اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں اور ان بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں۔ جب یہ لوگ میری اطاعت کرتے ہیں تو میں ان کے دلوں میں نرمی، شفقت، خیر خواہی مسلمانوں کے لیے پیدا کر دیتا ہوں اور جب یہ لوگ میری نافرمانی کرتے ہیں، مجھے ناراض کرتے ہیں تو میں ان کے دلوں میں سختی غصہ ڈال دیتا ہوں، پھر یہ لوگ اس قوم پر ظلم ڈھاتے ہیں، زیادتیاں کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کہتا ہے محض انھیں کو سنے سے کچھ نہیں ہوگا، بات کس سے بنے گی؟ رجوع تو کرو میری طرف، متوجہ تو ہو میری طرف، کچھ معافی تو مانگ لو۔۔۔ اگر تم نے اپنی زندگی کا انداز نہ بدلا تو یہ عذاب کی شکل باقی رہے گی۔۔۔

جب نادر شاہ نے دلّی کو تاراج کیا اور اہلِ دلّی پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے، اس وقت کا اللہ والا حضرت عارف باللہ مظہر جاناں رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے، انھوں نے ایک جملہ کہا **شامتِ اعمال ما بصورت نادر گرفت**

میرے اعمال کی شامت ہے کہ آج اس کا نتیجہ میرے سامنے نادر شاہ کی صورت میں ہے، اس کی صورت میں اللہ نے آج مجھ پر عذاب مسلّط کیا ہے۔۔۔

تو بسا اوقات میرے عزیزو! ظاہری شکل کچھ اور ہوتی ہے، لیکن حقیقی اور باطنی اسباب وہ انسان کی بداعمالیاں ہوتی ہیں، قومی سطح پر اللہ کی طرف رجوع تو کریں۔ میرے عزیزو! راستہ نجات کا راستہ، ترقی کا راستہ، حفاظت کا راستہ، عزت کا اسلامی زندگی میں ہے، اسلامیت کے اس رشتے میں ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں ان نعمتوں کی قدردانی نصیب فرمائے اور اس مقدّس رشتے کی حفاظت اور اس کا تقدّس نصیب فرمائے۔ آمین!!

امانت

حذیفہ رفیق

مدینہ منورہ میں امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف رکھتے تھے، لوگ آرہے تھے اور اپنے مسائل پیش کر رہے تھے اسی دوران ایک شخص اپنے بیٹے کو لے کر داخل ہوا، جیسے ہی امیر المؤمنین کی نظر اس پر پڑی چونک اٹھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فراست تو مشہور تھی ہی، وہ جب کسی چیز کو غور سے دیکھتے تو لوگ سمجھتے جاتے کہ یقیناً کوئی بات خلافِ عادت پیش آئی ہے، چناں چہ تمام حاضرین کی توجہ بھی اب اسی شخص پر اور اس کے بیٹے پر تھی، جہاں امیر المؤمنین نظریں جما کر دیکھ رہے تھے، جب کہ دوسری طرف وہ شخص اطمینان سے کھڑا تھا گویا آنکھوں ہی آنکھوں میں وہ امیر المؤمنین کو جواب دے رہا تھا، چند لمحے گزرنے کے بعد امیر المؤمنین نے فرمایا: "میرے خیال میں کوئی کوا بھی کسی کوے سے اتنا نہیں ملتا ہو گا جتنا تمہارا یہ بیٹا تم سے مل رہا ہے!"

یہ سن کو وہ شخص مسکرانے لگا، ویسے بیٹے کا باپ سے مشابہت رکھنا بہت زیادہ تعجب کی بات نہیں، بیٹا باپ سے ملتا ہی ہے اور کبھی کبھار بہت زیادہ بھی ملتا ہے اور شخص کہنے لگا

أَمَا وَاللهِ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مَا وَلَدَتْهُ أُمُّهُ إِلاَّ مَيِّتَةً

اے امیر المؤمنین! اللہ کی قسم، یہ ایسا بچہ ہے کہ اس کی ماں نے اس کو مرنے کے بعد جنا ہے!!

یہ سن کر امیر المؤمنین کی حیرت اور بڑھ گئی۔ حقیقت جاننے کی جستجو اور بڑھ گئی، وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، حاضرین بھی متوجہ ہو گئے اور اس کو سرگزشت سنانے کا کہا۔۔۔ اس نے کہنا شروع کیا: میں مدینہ منورہ سے ایک لشکر کے ساتھ جہاد کے لیے روانہ ہو رہا تھا، میں جب گھر سے نکلنے لگا تو اس وقت میری بیوی حمل سے تھی، اس نے مجھ سے کہا

تَخْرُجُ وَتَدَعُنِي عَلَى هَذِهِ الْحَالَةِ حَامِلًا مُثْقِلًا

آپ مجھے اس حال میں چھوڑ کر جہاد پر جا رہے ہیں، میں حمل سے ہوں، میری طبیعت بوجھل ہے، مجھے آپ کے سہارے کی ضرورت ہے!

میں نے کہا: فکر مت کرو، تمہارے پیٹ کو میں اللہ رب العزت کے حوالے کرتا ہوں، میں نے اسے تسلی دی اور روانہ ہو گیا۔

کچھ عرصے جہاد میں گزار کر میں واپس مدینہ منورہ پہنچا، گھر آیا تو دروازے پر پہنچ کر ٹھٹک کر رہ گیا، کیوں کہ گھر پر تالا تھا۔ میں پریشانی کے عالم میں یہاں وہاں دیکھتا رہا، میرا دل بیٹھتا چلا گیا، طرح طرح کے خیالات مجھے گھیرنے لگے، بیوی اور اس کے پیٹ میں میرے بچے کا خیال بار بار میری آنکھوں کو اشک بار کر رہا تھا، بیوی کا یہ جملہ کانوں میں گونج رہا تھا: "آپ مجھے اس حال میں چھوڑ کر جہاد پر جا رہے ہیں، میں حمل سے ہوں، میری طبیعت بوجھل ہے، مجھے آپ کے سہارے کی ضرورت ہے!" مجھے اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ میری بیوی کسی حادثے کی شکار ہو گئی ہے، لیکن کسی سے پوچھنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔

پڑوس کے لوگوں نے بتایا کہ میری بیوی چند روز قبل انتقال کر چکی ہے، میں بہت غمگیں ہو گیا، صرف ایک بیوی کی وفات کا ہی غم نہ تھا، بلکہ اس پر بھی میرے آنسو نکلتے چلے جا رہے تھے کہ وہ تو اس وقت حاملہ تھی، نہ جانے کتنی تکلیفیں سہنے کے بعد اس کی جان نکلی ہو گی اور اس کے پیٹ میں جو بچہ تھا، وہ بھی اس کے ساتھ ہی رخصت ہو گیا۔ یہ سب سوچ سوچ کر میں گھلا جا رہا تھا اور میرا غم بڑھتا جا رہا تھا۔ میں مدینہ منورہ کے قبرستان بقیع الغرقد پہنچا اور وہاں اپنی بیوی کے قبر کے پاس بیٹھ کر رونے لگا۔ میں بہت دیر تک روتا رہا، یہاں تک کہ مغرب کا وقت قریب آ گیا۔

رات کو میرے کچھ رشتہ دار میرے پاس آ کر مجھے تسلی دے رہے تھے، میرے چاچا کے لڑکے میرے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ قبرستان ذرا فاصلے پر تھا، لیکن ہمارے اور قبرستان کے درمیان کوئی عمارت نہیں تھی، اس لیے قبرستان ہمیں سامنے نظر آ رہا تھا۔ رات کی تاریکی میں اچانک ایک عجیب حادثہ پیش آیا، قبروں کے بیچ میں سے ایک آگ اوپر اٹھتی چلی گئی۔۔۔ میں نے اپنے چچازاد بھائیوں سے پوچھا: یہ آگ کیسی ہے؟ یہ کہاں سے نکل رہی ہے؟ اس طرح میں نے مختلف سوالات کیے، لیکن کسی نے مجھے جواب نہیں دیا، بلکہ وہ لوگ بات بدلتے رہے اور کچھ ہی دیر ایک ایک کر کے وہ سب وہاں سے چل دیے، میں صاف سمجھ گیا کہ وہ لوگ حقیقت جانتے ہیں، لیکن مجھے بتانا نہیں چاہ رہے ہیں، بالآخر ان میں سے ایک میرے پاس بیٹھا رہا اور وہ مجھ سے سب سے زیادہ قریب تھا، ان سب میں میرا سب سے زیادہ تعلق اسی سے تھا۔

میں اس کے قریب ہوا اور میں نے اس سے لجاجت کے ساتھ درخواست کی کہ وہ مجھے اس آگ کا ماجرا بتائے۔ اس نے سر جھکا کر کہنا شروع کیا: دوست! میں تمہیں کیا بتاؤں، جس دن سے تمہاری بیوی کا انتقال ہوا، اس دن سے ہر رات کو اسی طرح یہ آگ تمہاری بیوی کی قبر سے نکلتی ہے اور اوپر کی طرف اٹھتی چلی جاتی ہے۔

یہ سنتے ہی خوف سے میرا برا حال ہو گیا، میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے، مجھے اپنے جسم سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہونے لگی، میرے منہ سے نکلا: انا للہ وانا الیہ راجعون، پھر میں نے اس سے کہا: اللہ کی قسم! میری بیوی تو بہت زیادہ روزے رکھتی تھی، راتوں کو لمبی لمبی نمازیں پڑھتی تھی، انتہائی نیک باز اور پکی مسلمان تھی۔

پھر میں نے اپنے اس دوست کو تیار کیا کہ وہ میرے ساتھ قبر تک چلے، وہ راضی ہو گیا، چناں چہ ہم دونوں چل پڑے، چلتے ہوئے میں نے اپنے ساتھ ایک کلہاڑا بھی لے لیا کہ نہ جانے وہاں کیا حال پیش آئے، احتیاطاً کوئی ہتھیار ساتھ ہو تو اچھا ہو گا، بہر حال! ہم قبر کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے، آگ بدستور جل رہی تھی، آگ جلنے کی وجہ سے آس پاس کی قبریں بھی روشن تھیں، چلتے چلتے ہم بالکل اس قبر کے دہانے پر پہنچ گئے، جس میں میری بیوی دفن تھیں، وہاں کا منظر دیکھ کر میں اور میرا دوست ہم دونوں ششدر رہ گئے، ہماری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، کیا دیکھتے ہیں کہ۔۔۔ پوری قبر کھلی ہوئی ہے اور میری بیوی اس میں بیٹھی ہوئی ہے اور میرا یہ بچہ قبر کے اندر ماں کے گرد رینگ رہا ہے، ابھی ہم دونوں یہ منظر دیکھ ہی رہے تھے کہ غیب سے ایک آواز آئی:

أَلَا أَيُّهَا الْمُسْتَوْدِعُ رَبَّهُ وَدِيعَتَهُ، خُذْ وَدِيعَتَكَ أَمَا وَاللهِ لَوِ اسْتَوْدَعْتَ أُمَّهُ لَوَجَدْتَهَا

اے اپنی امانت کو اپنے پروردگار کے حوالے کرنے والے! اپنی امانت واپس لے لے، (تو نے بچہ حوالے کیا تھا تو اس کی حفاظت کی گئی) اللہ کی قسم! اگر تو اس کی ماں کو بھی حوالے کرتا تو اس کو بھی پا لیتا!

میں نے اندر ہاتھ ڈال کر اس بچے کو کھینچ کر اوپر اٹھا لیا اور قبر پھر دوبارہ بند ہو گئی جیسے پہلے تھی۔

اس کے بعد اس شخص نے تھوڑا توقف کیا اور پھر گویا ہوا:

فَهُوَ وَاللهِ هَذَا يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ "اللہ کی قسم امیر المؤمنین یہ وہی بچہ ہے!"

علماء کا مقام اور علم کا تسلسل

عبدالمتین

انسانی جبلت ہے کہ انسان سیکھنے کے عمل کو پسند کرتا ہے اور اسی کو اپنی ترقی و عروج کا ضامن سمجھتا ہے۔ سیکھنے کا عمل اس عالمِ ہستی میں اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ انسان خود۔۔۔ اور عقلِ سلیم کا تقاضا ہے کہ سیکھنے کے عمل کو معیاری اور با مقصد بنانے کے لیے کسی سکھانے والے کا ہونا ناگزیر ہے۔ انسان از خود چاہے جتنی ہی بلندیاں طے کرے، بہر حال اسے کوئی نہ کوئی سکھانے والا ضرور ہوتا ہے اور جس قدر یہ عمل ہمارے دنیوی امور کے لیے ضروری ہے، اس سے کئی گنا زیادہ ہمارے دینی امور کے لیے اہمیت کا حامل ہے۔ مشاہدہ عالم یہ امر واضح کرتا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی طبیب فقط طب کی کتابوں کو کھنگال کر طبیب نہیں بن جاتا اور نہ ہی اس طبیب کے ہاتھوں کوئی مجبور ترین شخص بھی اپنے مریض کو حوالہ کر سکتا ہے، لہٰذا جس قدر تعلیم ضروری ہے اسی قدر "معلم" ضروری ہے اور جس طرح معاشرتی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے علم ضروری ہے، اسی قدر اس علم کے سکھلانے اور اس کی آبیاری کرنے والے "اہلِ علم و علما" بھی معاشرے کی تکمیلیت کے لیے ضروری ہیں۔ دینِ اسلام میں علما کی حیثیت اور ان کے فرضِ منصبی کو جاننے کے لیے "علم" کی حیثیت اور مقام و مرتبہ کا جاننا بے حد ضروری ہے۔ علم کی حیثیت جاننے کے بعد جس قدر فضیلت علم کے لیے بیان ہو گی، اتنی ہی بلکہ اس سے کہیں زیادہ ان اہلِ علم کی (جو علم سکھانے والے ہیں) یعنی علما کی ہو گی اور جس قدر علمیت (قرآن، حدیث، اجماع، قیاس) کا بول بالا ہو گا، اس کی فضیلت، انفرادیت اور جامعیت کا تذکرہ ہو گا، ٹھیک ایسے ہی اس علمیت کے علم بردار یعنی علمائے دین (جو اس کے لیے اپنے تن من دھن کی بازی لگائے ہوئے ہیں) کا مقام سمجھا جائے گا، دین کے حقیقی رموز شناس یہی علماء ہیں، انھوں نے علمِ دین سینہ بہ سینہ سیکھنے کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی کڑی کو کڑی سے ملانے کا فریضہ انجام دیا ہے۔ علمائے امت کی ان مساعی کو سراہتے ہوئے اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں فَسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل: ۴۳) "اگر تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے تو جو علم والے ہیں ان سے پوچھ لو۔" اس آیتِ مبارکہ میں جہالت کی تاریکی کو علم کی روشنی میں تبدیل کرنے کا نسخہ بتایا گیا ہے اور اس نسخہ کا منبع و مرجع اہلِ ذکر یعنی علما ہی کو قرار دیا ہے اور اپنی جہالت اور لاعلمی کی پیاس کو انھی کے ذریعے بجھانے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔ علمائے کرام کے مقام اور منصب کو بیان کرتے ہوئے بکثرت روایات موجود ہیں، ان میں علم، طریقِ علم، استاذ، تلمیذ، دوات بطورِ خاص شامل ہیں، ان سب باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ علمائے کرام کا وجود اس تعلیم و تعلّم کے سلسلے کو جاری و ساری رکھنے کے لیے ضروری ہے، چناں چہ آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ (سنن الترمذی) "اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ اسے لوگوں (کے دلوں) سے کھینچ لے بلکہ علما کے اٹھ جانے (یعنی وفات) سے علم اٹھ جائے گا۔" حدیثِ مبارکہ کے مطابق فقدانِ علما فقدانِ علم کو مستلزم ہے، لہٰذا جب تک علمائے امت کا تحفّظ اور بقا رہے گا، تب تک "علم" کا مرتبہ و مقام بلند رہے گا۔ شارح بخاری علّامہ عینی علم کی فضیلت کو علما کی فضیلت پر انطباق کرتے ہوئے فرماتے ہیں: قُلْتُ: بَيَانُ فَضْلِ الْعِلْمِ يَسْتَلْزِمُ بَيَانَ فَضْلِ الْعُلَمَاءِ لِاَنَّ الْعِلْمَ صِفَةٌ قَائِمَةٌ بِالْعَالِمِ فَذِكْرُ بَيَانِ فَضْلِ الصِّفَةِ يَسْتَلْزِمُ بَيَانَ فَضْلِ مَنْ هِيَ قَائِمَةٌ بِهِ (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، کتاب العلم، باب فضل العلم) میں کہتا ہوں کہ علم کی فضیلت کا بیان علما کی فضیلت کے بیان کو مستلزم ہے، اس لیے کہ علم ایک ایسی صفت ہے جو کہ اس کے جاننے والے (عالم) کے ساتھ قائم ہے، لہٰذا صفت کی فضیلت کا بیان اس شخص کی فضیلت کو بھی بیان کرتا ہے جس کے ساتھ یہ صفت قائم ہے نیز حضور ﷺ نے "علم" کو انبیا و علما کی مشترکہ میراث قرار دیتے ہوئے فرمایا: إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا إِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ "بے شک علما انبیا کے وارث ہیں، بے شک انبیا دراہم و دینار کا وارث نہیں بناتے بلکہ انبیا تو علم کا وارث بناتے ہیں۔" شارح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں وَبِتَوْقِيرِ الْعُلَمَاءِ تَوْقِيرُ الشَّرِيعَةِ لِأَنَّهُمْ حَامِلُوهَا وَبِإِهَانَةِ الْعُلَمَاءِ تُهَانُ الشَّرِيعَةِ (شرح ریاض الصالحین، آداب عامۃ، باب توقیر العلماء والکبار) "علما کے وقار سے ہی شریعت کا وقار برقرار رہتا ہے، اس لیے کہ وہی شریعت کے حاملین ہیں اور علما کی مذمت سے ہی شریعت کی مذمت وابستہ ہے" سطور بالا سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علما کی حیثیت دین میں راہنما کی مانند ہے، جس طرح کسی تحریک اور ادارہ کے لیے کسی رہنما کی رہنمائی ناگزیر ہے جو ان کی مختلف مواقع پر فکری باگ ڈور سنبھالے رہتے ہیں، ٹھیک ایسے ہی دین کو اس کی حقیقی روح سمیت سمجھنے کے لیے علمائے کرام کا دامن تلمذ تھامے رہنے کی ضرورت ہے، جو کہ دینِ اسلام کی پُر حکمت باریکیوں کو آسان کرتے رہتے ہیں۔

فحاشی وعریانی کا سیلاب

محمد طیب حنیف

عرصہ دراز تک انگریز اور اس کی غلامی کی چکی میں پسنے کے بعد حق تعالی شانہٗ نے برّصغیر کی شکستہ حالت پر رحم فرماکر ایک مملکت عطافرمائی، جس کی تحریک میں حصہ لینے والے افراد کے پیشِ نظر یہ بات تھی کہ اسے ایک مثالی اسلامی ریاست بناکر تمام عالمِ اسلام کو اُخوت واسلامی کے ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے، لیکن افسوس صد افسوس

"اے بسا آرزو کہ خاک شدہ"

قانونِ الٰہی ہے کہ "لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ" (اگر نعمتِ الٰہی کا شکر بجالاؤگے تو ان نعمتوں میں اضافہ کروں گا اور اگر ان کی ناشکری کی تو سن لو، میرا عذاب بہت سخت ہے) اس نعمت کے شکر کا طریقہ یہ تھا کہ صالح حکومت وقیادت کی سرپرستی میں قانونِ عدل کا پرچم لہرایا جاتا، فحاشی وعریانی، قتل وغارت گری کے روز بروز بڑھتے جرائم کے سدّباب کے لیے قانونی وآئینی طور پر ایسی شرعی سزاؤں کا نفاذ کیا جاتا، جس کی بدولت ایک بہترین عدل وانصاف سے معمور معاشرہ وجود میں آتا، مگر جو ہوا اور جو ہو رہا ہے اس کا نقشہ سب کے سامنے ہے۔

وطنِ عزیز ایک عرصے سے شدید بحران کا شکار ہے، جس کے پیچھے مختلف اسباب کارفرما ہیں، ظاہری اسباب کو قبول کرتے ہوئے اگر اس کے عوامل پر نظر ڈالی جائے تو یہ اسباب وعوامل ہماری اعتقادی وعملی کوتاہی کی نشان دہی کرتے نظر آتے ہیں، جن میں سے چند امور یہ ہیں۔

1 **حکم ران طبقے کی دین بے زاری:** یہ وہ بنیادی سبب ہے جس کی وجہ سے معاشرے میں فحاشی وعریانی کو فروغ ملتا ہے، چناں چہ آئے روز سیکولر سیاسی جماعتوں کی جانب سے مغربی دباؤ کے پیشِ نظر نہایت عجلت کے ساتھ غیر اسلامی قوانین کا پیش کیا جانا اس کا منہ بولتا ثبوت ہے، جس کی حالیہ مثال ٹرانس جینڈر ایکٹ کی ہے، جس میں خنثوں کے حقوق کے نام پر ہم جنس پرستی کو قانونی چھتری مہیا کی گئی ہے۔

2 **سوشل وپرنٹ میڈیا پر افسوناک مناظر:** اسلام مخالف طبقہ مغربیت اور تہذیب کو پروان چڑھانے کے لیے ہمیشہ کوشش میں رہتا ہے، یہی وجہ ہے ٹی وی پر نشر کیے جانے والے فضول ڈراموں و کارٹون سیریز کے ذریعے اسلام اور اس سے وابستہ افراد کے کردار کو متنازع شکل میں پیش کیا جاتا ہے، نیز اسلامی تہذیب واقدار کو نشانہ ہدف بنایا جاتا ہے، حتی کہ پرنٹ میڈیا میں اخبارات کا ایک مکمل پیج نیم عریاں لڑکیوں کی تصاویر کے لیے مختص کیا گیا ہے، جس کو انٹرٹینمنٹ کے دل فریب عنوان سے پیش کیا جاتا ہے۔ الغرض ذرائع نشر واشاعت کو تمام پابندیوں سے آزاد کرکے انھیں بددینی کا مشن سونپ دیا گیا ہے اور یہی نہیں بلکہ سرکاری طور پر ان کی حوصلہ افزائی بھی کی جاتی ہے۔

3 **تعلیمی اداروں میں مخلوط نظامِ تعلیم:** روزِ اوّل سے ملک وملت کے سادہ لوح عوام کو اسلامی تہذیب کے نام پر اغیار کی غلامی پر مجبور کیا جارہا ہے، جس کے لیے ایسے تحقیقی وتعلیمی اداروں کو وجود میں لایا گیا، جس میں مخلوط نظامِ تعلیم فرینڈ شپ کے نام سے بے حیائی کا طوفان برپا کردیا ہے اور مختلف پروگرامز کے بہانے میوزیکل فیسٹیولز کا انعقاد اور ان کی روک تھام کے لیے غور وفکر سے غفلت برتنا نہایت ہی تشویش ناک عمل ہے۔

4 **سرمایہ دارانہ معاشی وسودی نظام کی ترویج:** ایک اسلامی معاشرے کی اصلاح وتربیت کا مدار ان افراد کے جسمانی وروحانی غذاؤں پر ہے، چناں چہ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو رزقِ حلال کے استعمال کا حکم دیا، فرمایا: يَآيُّهَا الرَّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا "اے پیغمبروں کی جماعت، تم نفیس وپاکیزہ چیزیں کھاؤ، اور نیک کام کرو"

آیتِ بالا میں عملِ صالح کو اِکلِ طیبات کے بعد ذکر کرکے اشارہ فرمایا کہ نیک اعمال کا صدور ہی درحقیقت رزقِ حلال کا ثمرہ ونتیجہ ہے، یعنی رزقِ حلال کے سبب ہی نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے اور حرام آمدن اس توفیق کو سلب کرتی ہے۔

5 **ترویجِ نکاح میں پیدا کردہ رکاوٹیں:** قوت شہویہ وغضبیہ کے امتزاج واختلاط سے تخلیق شدہ انسان کی فطرت از خود نکاح کو فطرت وطبیعت کا حصہ سمجھتی ہے اور یہی انسانی خواہشات کی تسکین کا فطری طریقہ ہے، مگر افسوس! ہمارے معاشرے میں رائج مختلف رسوم ورواج کی حدود وقیود سے جکڑی انسانیت نے اس مسنون عمل کو مشکل بناکر فطرت سے بغاوت پر مجبور کیا ہے، جس کا بھیانک نتیجہ سب کے سامنے واضح ہے۔

ہم اس ملک کے دانش ور، صحافت سے وابستہ احباب اور اربابِ اقتدار کی خدمت میں نہایت دردمندانہ عرض کرتے ہیں کہ ہر شخص اپنے محدود دائرہ کار میں رہتے ہوئے ملک وملت کو فسق وفجور کی ظلمت سے بچائے اور خدا کے حلم، عفو ودرگذر کو چیلنج نہ کریں، مبادا یہ کہ ہم پر سایہ فگن عذابِ الٰہی کے بادل مینہ کی طرح برس پڑیں، جیسا کہ سابقہ امم کی بدعملی وبدعقلی تباہی وبربادی کا باعث بنی

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيرًا

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

تصویرِ کائنات میں رنگ

بینش احمد

خاتون، لڑکی یا عورت کا لفظ سُنتے ہی سب کے دِل میں ایک نرم، نازک، حیا کے مجسّمے جیسا تصور ابھرتا ہے۔ عورت انسان کے لیے اللہ کی طرف سے ایک نعمت اور قیمتی تحفہ ہے۔ عورت ماں ہے۔ بیٹی ہے۔ بہن ہے اور بیوی ہے۔

اگر عورت کو اللہ پیدا نا کرتا تو تمام انسانوں کا نظام بدل جاتا۔ عورت گھر کی رونق ہے۔

عورت ان چاروں روپ میں بہت باکمال ہے:

بیوی: عورت بیوی کے روپ میں شوہر کی مدد کرتی ہے۔ اس کی تسکین کا سبب بنتی ہے۔ اس کی عزت اور وقار ہوتی ہے، اُس کے گھر کا خیال رکھتی ہے۔ اُس کے لیے اپنا گھر بار، والدین، بہن، بھائی سب کچھ چھوڑ کر آتی ہے۔ اُس کا گھر سنبھالتی ہے۔ اپنی اور اُس کی اولاد کی تربیت کرتی ہے۔

ماں: ایک عورت جب ماں بننے کے مراحل سے گزرتی ہے تو بے حد تکلیفیں اُٹھاتی ہے۔ اپنی اولاد کے لیے سب کچھ قُربان کر دیتی ہے اپنی اولاد سے اس قدر پیار کرتی ہے کہ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اولاد کی پرورش کرنے کے لیے رات دن ایک کر دیتی ہے اور اپنی تکلیفیں بھول جاتی ہے۔ ماں کے احسانوں کا اولاد بدلہ نہیں چکا سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے ماں کا اس قدر درجہ رکھا ہے کہ اُس کے پیروں تلے جنت قرار دے دی گئی ہے۔ ماں اس ہستی کا نام ہے جو زندگی کے تمام دکھوں اور مصیبتوں کو اپنے آنچل میں چھپا لیتی ہے۔

بیٹی: بیٹی گھر کی رونق ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے: "جس کی دو بیٹیاں ہوں اور اُن کی اچھی طرح سے پرورش، تعلیم اور تربیت دے کر نکاح کر دیا تو ایسے ماں باپ جنت کے حق دار ہیں۔"

بیٹی کے بغیر گھر خالی اور اُداس لگتا ہے۔ وہ اپنے ماں باپ کا خیال بیٹوں سے زیادہ رکھتی ہے اور وقت پڑنے پر وہی ماں باپ کی خدمت کرتی ہے۔ ماں باپ کے گھر میں بڑی ہو کر دوسروں کا گھر سنوارنے کے لیے چلی جاتی ہے۔ یہ بیٹی کی بہت بڑی قربانی ہے۔ اس کے لیے اپنا ہی گھر پرایا ہو جاتا ہے، اگر اگلے گھر بیٹی کو کوئی مشکل پیش آتی ہے تو وہ صبر کر لیتی ہے۔ اپنے والدین اور گھر والوں کی خوشی کے لیے خاموش رہتی ہے۔ اپنوں کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی گُریز نہیں کرتی۔

حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جس شخص نے اپنی بیٹی کو زندہ درگور نہیں کیا، نہ ہی اُس کو ذلیل سمجھا اور نہ ہی بیٹے کو اُس پر مقدم کیا تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائیں گے۔" (سنن ابی داوٗد) ایک دوسری حدیث میں آتا ہے حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: "وہ عورت مبارک ہوتی ہے جس کی پہلی اولاد بیٹی ہو۔"

بہن: بہن کا نام سُنتے ہی دِل میں ایک سکون کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ عورت بہن کے روپ میں اپنے بھائی بہنوں کی ذمہ داریاں ادا کرتی ہے۔ اُن کو کبھی بھی اکیلا نہیں چھوڑتی، اگر کسی کے والدین حیات نہیں ہوتے تو بڑی بہن اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو ماں کی طرح پالتی ہے اُن کو کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دیتی۔

اسلام میں عورت کا مقام: عورت جس بھی روپ میں ہے، سب کے لیے قابلِ احترام ہے۔ اسلام کے آنے سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں عورت کو نہایت ذلیل و حقیر چیز سمجھا جاتا تھا۔ جب کسی کے گھر بیٹی پیدا ہوتی تو اُس کو زندہ دفن کر دیا جاتا۔ اُس پر طرح طرح کے ظلم کیے جاتے تھے۔

لیکن جب اسلام آیا تو اس نے عورت کو ایسا عزت و احترام بخشا، جس کی کوئی مثال پوری دُنیا میں نہیں ملتی۔ اسلام نے عورت پر کیے جانے والے مظالم سے اُسے چُھٹکارہ دلایا اور اُس کے باقاعدہ حقوق مقرر کیے۔ اسلام نے عورت کو بہت زیادہ عزت عطا کی ہے۔ اسلام نے عورت کو اعلیٰ مقام دیا ہے، اسلام کی نظر میں انسانی لحاظ سے مرد اور عورت دونوں برابر ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے صنفِ نازک کے ساتھ بہترین سلوک اور برتاؤ کی تاکید کی، خود آپ ﷺ بھی عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک فرماتے۔

ایک روایت میں نبیِ کریم ﷺ نے عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور بہترین برتاؤ کو کمالِ ایمان کی شرط قرار دیا ہے۔

اسلام نے عورتوں کو حق دیا ہے کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکیں۔ انفرادی طور پر کاروبار اور معاشرتی رابطہ قائم کر سکتی ہے۔ عورت ہر وہ کام کر سکتی ہے، جو مرد کر سکتا ہے۔ عورتوں نے ملازمت، کاروبار، زراعت، تبلیغ، طب، فوج اور دیگر تمام شعبوں میں اپنی صلاحیتوں کا جادو دکھایا ہے۔ کوئی بھی ایسا شعبہ نہیں جس میں عورت کام نا کر سکے۔ آج کی عورت جہاز اُڑا رہی ہے۔ خلا میں جا رہی ہے۔ دُشوار گُزار پہاڑوں کو سَر کر رہی ہے۔ سیاست میں آگے آ رہی ہے۔ الغرض زندگی کے ہر شعبے میں خواتین پیش پیش ہیں۔

عورت ہر گھر کی ملکہ ہوتی ہے، جس گھر میں عورت نہیں ہوتی اُس گھر کا نظام درہم برہم ہوتا ہے۔ گھر چھوٹا ہو یا بڑا عورت اُسے خوب سے خوب تر بناتی ہے۔ گھر کے کونے کونے کو خوب صورت بناتی ہے۔ کچن کو سنبھالتی ہے۔ طرح طرح کے کھانے بنا کر دیتی ہے۔ کپڑے دھوتی ہے، استری کرتی ہے۔ آپ کہیں جاتے ہیں تو آپ کو ہر چیز تیار ملتی ہے۔ اپنے گھر کی عورتوں کے ساتھ اُن کا ہاتھ بٹائیں۔ نبیِ کریم ﷺ کی سنتِ مبارکہ تھی، کبھی گھر میں آٹا گوندھ دیتے، گھر کی دیگر ضروریات پوری کرتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور ﷺ کے گھر میں معمولات کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ "اپنی بکری کا دودھ دوہتے، اپنے کپڑے سی لیتے، اپنی خدمت خود کر لیتے، اپنے جوتے گانٹھ لیتے اور وہ تمام کام کرتے جو مرد اپنے گھر میں کرتے ہیں، وہ اپنے گھر والوں کی خدمت میں لگے ہوتے کہ نماز کا وقت ہو جاتا اور وہ چھوڑ کر چلے جاتے (جامع ترمذی)

عورت مرد کے برے وقت کی ساتھی ہوتی ہے۔ اپنے خاوند کے ہر دکھ درد میں شریک ہوتی ہے، اُس کے ساتھ مل کر گھر کا پہیہ چلاتی ہے۔ عورت معصوم ہوتی ہے۔ عورت گلاب کا ایک پھول ہے جس کی خوشبو سے سب کے گھر مہکتے ہیں۔ عورت گھر کی زینت ہے، وہ اگر نا ہوتی تو یہ دُنیا بے رنگ ہو جاتی۔ عورت کی عظمت اور بلندی اس کی تعریف کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

ہم اگر بزم سے اٹھ جائیں چراغاں نہ رہے
لطف پربت نہ رہے کیف شبستاں نہ رہے

عورت خواہ کسی بھی روپ میں ہو، عورت کا رتبہ بہت افضل ہے۔ عورت کو اسلام نے جتنی زیادہ اہمیت دی ہے، معاشرہ اُسے اتنی ہی حقارت سے دیکھتا ہے۔

مرد بڑے فخر کے ساتھ عورتوں کے حقوق کے تحفظ کی باتیں کرتے ہیں، لیکن وہ اِن کو اپنے حقوق کے لیے آواز تک اٹھانے کی اجازت نہیں دیتے۔ سب کو یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ اسلام نے عورتوں کو جو مقام دیا ہے، کیا ہمارے معاشرے نے اسے وہی مقام دیا ہے؟ زمانۂ قدیم سے ہی عورت نے اپنی زندگی میں مصیبتیں اٹھائی ہیں، اکثر گھرانوں کی لڑکیاں اپنی زندگی کے مسائل سے دوچار ہیں، جنہیں والدین نے نا ہی تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا اور نا ہی زندگی خود سے جینے کے لیے فن سکھایا۔ والدین نے تو صرف اپنی بیٹی کی شادی کی ذمہ داری سمجھی۔ شادی کر دو اور وداع کر دو، اکثر گھرانوں میں کسی نہ کسی مسئلوں پر شوہر اور بیوی یا سسرال میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں اور گھروں کا شیرازہ بکھر کر رہ جاتا ہے۔ نتیجے میں شوہر اور بیوی کی علی حدگی عمل میں آتی ہے۔ ہاں صرف یہ کہ سال میں ایک بار یومِ نسواں منا کر یہ بتا دیا جاتا ہے کہ بھئی ہمیں خواتین کی بہت پرواہ ہے۔ یہ بات ذہن میں بٹھا لیں کہ عورت کا کوئی ایک دن نہیں ہوتا، بلکہ سب دن ہی عورت سے ہوتے ہیں۔ اللہ پاک سب کو خواتین کی عزت اور اُن کے حقوق پورے کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین!

وجودِ زن سے ہے، تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے، زندگی کا سوزِ دروں

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا

ندا اختر

ماں کی نصیحتیں

جنگِ قادسیہ کے موقع پر لوگ جمع ہونے لگے تو خنساء نے جن کا نام تماضر بنت عمرو تھا اور جو بہت مشہور شاعرہ تھیں، اپنے چاروں بیٹوں کو بلایا اور ان سے کہا: "میرے بیٹو! تم نے اطاعت گزاری کے ساتھ اسلام قبول کیا اور اپنی مرضی سے ہجرت کی، تمہارے وطن میں کبھی قحط نہیں پڑا جو تم اسے چھوڑ کر کہیں اور چلتے ہو اور نہ ہی کبھی لالچ و حرص نے تمہیں ذلیل کیا، قسم اس معبود کی! کہ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تم سب ایک ہی آدمی کے بیٹے ہو، جیسے کہ تم سب ایک ہی عورت کی اولاد ہو، نہ میں نے تمہارے باپ کے ساتھ خیانت کی اور نہ ہی کبھی تمہارے ماموں کو بدنام یا رسوا کیا، نہ میں نے تمہارا نسب بدلا اور نہ ہی تمہاری حرمت کو پامال کیا اور نہ ہی کبھی حدود کو تجاوز کیا۔

انشاءاللہ! جب کل کی صبح نمودار ہو گی تو تم اللہ کی مدد و نصرت کے ساتھ دشمن سے لڑائی کے لیے روانہ ہو جانا، جب تم دیکھو کہ جنگ شروع ہو گئی اور لڑائی میں تیزی آ گئی تو تم لوگ بھی سرگرم ہو جانا اور میدان میں کود پڑنا۔ اس سختی کا مقابلہ کرنا کہ دارالخلد میں کامیابی اور عزت تمہارا مقدر بنے۔

ان کے چاروں بیٹے ان کی نصیحت کو گرہ میں باندھ کر اور ان کی بات پر عمل کرنے کا عزم دل میں لیے وہاں سے روانہ ہو گئے اور میدانِ جنگ میں جب دشمن سے سامنا ہوا تو چاروں بڑی بہادری سے لڑے، یہاں تک کہ شہید ہو گئے اور جب ان چاروں کی شہادت کی اطلاع ان کی ماں کو ملی تو وہ بے ساختہ بول اٹھیں: شکر اس اللہ کا کہ جس نے مجھے ان کی شہادت کا شرف عطا فرمایا اور مجھے اپنے پروردگار کی رحمت سے پوری اُمید ہے کہ وہ اپنی رحمت کے ٹھکانے پر مجھے ان سے ضرور ملائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کو ان کے چاروں بیٹوں کا وظیفہ دیا کرتے تھے اور یہ ان کا معمول رہا جب تک کہ ان کا انتقال نہیں ہو گیا۔ شعر و ادب سے متعلق لوگوں کا کہنا تھا کہ نہ تو ان سے پہلے اور نہ ان کے بعد ان جیسی کوئی شاعرہ گزری۔

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا اپنی قوم بنی سلیم کے ہم راہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھیں اور سب کے ساتھ ہی وہ بھی اسلام میں داخل ہو گئی تھیں۔

کہا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ان سے اکثر شعر سنا کرتے تھے، ان کے اشعار آپ ؐ کو پسند آیا کرتے تھے۔

بچوں کی تربیت

ام محمد عبداللہ

آج پھر دانیال اور رابعہ دانت صاف کیے بغیر سو گئے۔ بلال نے بھی عشاء کی نماز نہیں پڑھی۔ میں نے افسردگی سے سوئے ہوئے بچوں پر نظر دوڑائی۔ میں نہیں کر پا رہی ان کی ڈھنگ سے تربیت۔ میں نے مایوسی سے خود کلامی کرتے ہوئے بچوں کے بیگ سمیٹے۔ ہاں کام سمیٹتے ہوئے سورۃ الملک کی تلاوت کر لوں۔ میرا دھیان بدل گیا۔ میں تلاوت کرنے لگی۔ پندرھویں آیت پر آکر اٹک گئی۔ اللہ دو سال پہلے اس سورۃ کو حفظ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ مجھ سے کوئی کام بھی پایہ تکمیل تک کیوں نہیں پہنچتا؟ بے بسی سے میں نے سوچا۔ ایک آنسو بھی پلکوں کے بند توڑ گیا تھا۔ بد دلی سے آکر میں بستر میں لیٹ گئی۔

پچھلے پندرہ دنوں سے خود فجر کی نماز پڑھ کر میں بچوں کو بھی اٹھا دیا کرتی تھی۔ آج طبیعت پر ایسی مردہ دلی چھائی تھی کہ میری اپنی نماز بھی قضا ہو گئی۔ ہڑبڑا کر جو اٹھی تو بچوں کے اسکول کا وقت ہو رہا تھا۔ جلدی جلدی بچوں کو جگا کر میں ناشتا بنانے میں مصروف ہو گئی۔ ساتھ کمرے سے تیار ہوتے ہوئے بچوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ”آج میں نے فجر کی نماز نہیں پڑھی۔“ یہ رابعہ تھی۔ ”ہم نے بھی نہیں پڑھی۔“ دانیال کہنے لگا۔ ”پچھلے کچھ دنوں سے تو امی زور و شور سے اٹھا رہی تھیں۔ آج انہوں نے اٹھایا ہی نہیں۔“ مجھے بچوں کی باتیں سن کر سخت شرمندگی ہونے لگی۔

ناشتے کے بعد میں گھر پر اکیلی تھی۔ عجیب جھنجھلاہٹ کا شکار مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا آخر میں ایک اچھی ماں کیسے بن سکتی ہوں؟ کیسے اپنی اولاد کی بہترین تربیت کر سکتی ہوں؟ کچھ دن پہلے ایک مضمون میں پڑھا تھا کہ دین دار عورت ہی اچھی ماں ثابت ہو سکتی ہے تب سے اپنے لیے دعا بھی کر رہی تھی۔ قرآن پاک کا ترجمہ تفسیر اور حدیث بھی پڑھنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ میں کوشش کرتی کہ اچھے سے نماز پڑھوں اور قرآن پاک کی تلاوت بھی۔ مگر اس وقت تو بے چینی سوا تھی۔ میں گھر کا کام چھوڑ حدیث کی کتاب لے کر بیٹھ گئی۔

عنوان تھا صبر و استقامت، میں پڑھنے لگی۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ (متفق علیہ) اور کسی شخص کو صبر سے بڑھ کر اچھا اور ہمہ گیر عطیہ نہیں دیا گیا۔ صبر ایک ایسی صفت ہے جو مومن کے لیے دنیا اور آخرت کا سرمایہ ہے۔ صبر کی یہ اہمیت کیوں ہے؟ میں نے سوچا۔

آگے لکھا تھا۔ ہم جس دنیا میں سانس لے رہے ہیں وہاں انسان کو دو حالتوں سے لازماً سابقہ پیش آتا ہے ایک تو یہ ہے کہ یہاں ہر چیز ہماری پسند کے مطابق نہیں ہے، بلکہ ان گنت حالات ہماری مرضی کے خلاف ظہور میں آتے ہیں، اور ان کو بدل ڈالنا ہمارے بس میں نہیں ہوتا۔ مثلاً بیماری، رنج و غم اور مصائب و مشکلات۔ دوسرے یہ کہ انسان اس زندگی میں جو عقیدہ و مسلک اور طرزِ زندگی اختیار کرتا ہے، اور اپنا جو نصب العین مقرر کرتا ہے اس کی پابندی اور اس کے حصول میں ایک طرف تو اسے باہر کے ماحول سے مزاحمت اور کشمکش سے سابقہ پیش آتا ہے، کیوں کہ اس کے اس عقیدہ و مسلک اور طرزِ زندگی کے اثرات اس سے مختلف عقیدہ اور نصب العین رکھنے والوں پر بھی مرتب ہوتے ہیں اور وہ اس پر اپنا ردِ عمل ظاہر کرتے ہیں اور دوسری طرف انسان کو اپنی ذات کے اندر سے بھی بعض مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کیوں کہ خود اس کا اپنا نفس بھی بسا اوقات اس کے انتخاب کردہ طرزِ زندگی اور نصب العین کے ناگزیر تقاضوں کو قبول کرنے سے پہلو تہی کرتا ہے۔

ان دونوں صورتوں میں انسان کی جو اخلاقی صفت اس کی مدد کرتی ہے۔ وہ صبر ہے یعنی ایک صبر تو وہ ہے جو انسان بعض غیر اختیاری حالات و مصائب اور پریشانیوں کے مقابلے میں اختیار کرتا ہے اور اس صبر کا مظاہرہ اس طرح ہوتا ہے کہ وہ گھبراہٹ اور مایوسی کا شکار نہیں ہوتا۔ ایک صبر وہ ہے جس کا مظاہرہ اس کی طرف سے اپنے نصب العین کے معاملے میں مستقل مزاجی کی شکل میں ہوتا ہے۔ ان دونوں کے نتیجے میں انسان کے اندر ایک طرح کی اخلاقی بلندی اور خود اعتمادی کی صفات جنم لیتی ہیں۔ اس طرح یہ صبر انسان کی شخصیت کی تعمیر کا وسیلہ ثابت ہوتا ہے۔

صبر کی صفت اگرچہ ہر انسان کے لیے ایک زبردست قوتِ حیات ہے، لیکن ایک مومن تو اس سے ایک لمحے کے لئے بھی بے نیاز نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی پوری زندگی ہی دراصل ایک مسلسل جدو جہد کا نام ہے، اولاً اس دنیا میں سرگرم باطل طاقتوں کے خلاف، اور ثانیاً اس نفس کے خلاف جو ہر اچھی بات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وَكَانَ أَحَبَّ الدِّيْنِ إِلَيْهِ مَا دَاوَمَ صَاحِبُهُ عَلَيْهِ (متفق علیہ) اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین وہ ہے جس پر اس کا اختیار کرنے والا ہمیشگی اختیار کرے۔

مقصود یہ نہیں ہے کہ آدمی وقتاً فوقتاً نیکیوں کے کچھ کام انجام دے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس کی پوری زندگی ان اعمال صالح پر دوام اختیار کرے۔ اس لیے یہ نصیحت فرمائی گئی کہ اعتدال و توازن کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور مستقل مزاجی کے ساتھ نیکیوں پر کاربند رہا جائے۔

الحمد للہ رب العالمین۔ مجھے لگا جیسے اندھیرے چھٹ گئے ہوں۔ بچوں کی اچھی تربیت کے لیے مجھے کچھ اہداف مقرر کر کے ان پر دوام اختیار کرنا تھا۔ ہاں مستقل مزاجی سے اگر میں انہیں روز ایک آیت پڑھاؤں، روز ایک جملہ سکھاؤں روز ایک سوال کرواؤں تو ہفتے کے سات اور مہینے کی تیس آیات، جملے اور سوال بنتے ہیں۔ میرا دل کھل اٹھا۔ ان اہداف کو حاصل کرنے کے لیے مجھے مستقل جدو جہد کرنی تھی۔ اپنے ماحول سے بھی مسقل جنگ کرنی تھی اور اپنے نفس سے بھی۔

یقیں محکم، عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں یہ ہیں ماں کی شمشیریں

علامہ اقبال کا شعر اپنے تناظر میں پڑھتے ہوئے میں ہنس پڑی۔

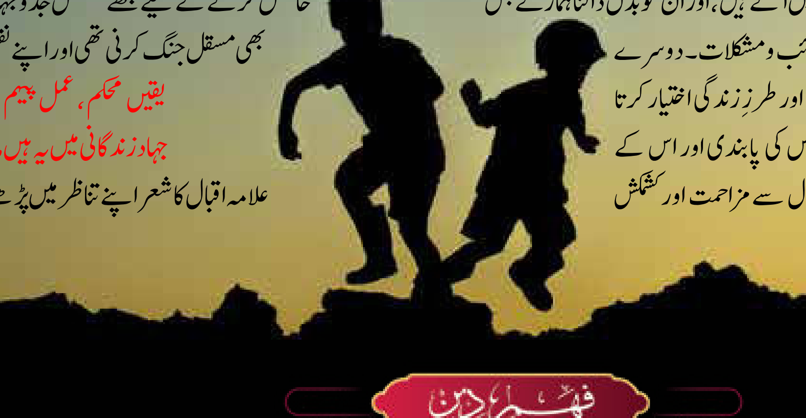

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

”حقِ شفعہ“ کسے کہتے ہیں۔۔۔

سوال: حقِ شفعہ کی تعریف بتادیں!

جواب: ”شفعہ“ کے لغوی معنی ”ملانے“ کے ہیں، جب کہ اصطلاح شرع میں: فروخت شدہ زمین کو قیمتِ فروخت کے عوض مشتری اوّل کی رضامندی کے بغیر خرید کر مالک بن جانا، شفعہ کہلاتا ہے، جس کے کل دو اسباب ہیں:

1. شرکت اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ
2. پڑوس

وضاحت: فروخت شدہ زمین میں بعض وہ صورتیں بھی داخل ہیں، جہاں ظاہر میں زمین کی بیع نہیں ہوتی، لیکن تبادلہ مالی کی وجہ سے وہ فروخت شدہ کے حکم میں ہوتی ہے۔

شفعہ کے لیے عدالت جانے کے بجائے امامِ مسجد سے فیصلہ کروانا

سوال: موجودہ دور میں شفعہ کے لیے قاضی (جج) کے پاس عدالت جانا ضروری ہے یا امامِ مسجد بھی فیصلہ کر سکتا ہے؟ کیوں کہ آج کل عدالتی نظام میں بعض اوقات دس، پندرہ سالوں تک فیصلہ نہیں ہوتا۔ براہِ کرم رہنمائی فرمائیں!

جواب: واضح رہے کہ کسی تنازع کے فریقین اگر ذاتی مجبوریوں یا دیگر وجوہات کی بنا پر اپنے تنازع کو حل کرنے کا اختیار حکومت کی کسی عدالت کے بجائے کسی شخص کو دیں تو شرعاً یہ ”تحکیم“ کہلاتا ہے۔ تحکیم کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ فریقین بہ رضا و رغبت اپنے فیصلے کا اختیار حَکَم کو دیں اور فیصلے سے قبل کوئی فریق بھی رجوع نہ کرے، چناں چہ اگر کسی فریق نے فیصلے سے قبل رجوع کیا اور حَکَم کو تسلیم کرنے سے انکار کیا تو حَکَم کا فیصلہ لازم نہ ہوگا اور اگر حَکَم تحکیم کی جملہ شرائط کی رعایت کرتے ہوئے فیصلہ کرے تو وہ فیصلہ لازم ہوگا، چناں چہ فیصلے کے بعد کسی فریق کے لیے انکار کی گنجائش نہ ہو گی۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق فریقین اگر شفعہ کے فیصلے کے لیے عدالت جانے کے بجائے امامِ مسجد کو بہ رضا و رغبت اپنا حَکَم بنائیں تو شرعاً یہ تحکیم کے حکم میں داخل ہے، چناں چہ تحکیم کی شرائط کی رعایت کے ساتھ حَکَم جو فیصلہ کرے گا وہ فریقین پر ماننا لازم ہو گا۔

متعدد پڑوسیوں کا شفعہ کرنا

سوال: ایک آدمی نے گھر بیچ دیا ہے، جس کا راستہ سڑک کی طرف ہے اور اس گھر کے سامنے سڑک کے دوسری جانب گھر والا اس فروخت شدہ گھر کے دائیں بائیں اور پیچھے کی جانب والے شفعہ کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ گھر بطورِ شفعہ کس کو ملے گا؟ کسی ایک کو ملے گا یا سب کو مشترکہ طور پر ملے گا؟

جواب: واضح رہے کہ شریعتِ مطہرہ کے رُو سے جن لوگوں کو حقِ شفعہ حاصل ہے ان کے چند مراتب ہیں:

سب سے پہلے شفعہ اس شخص کا حق ہے جو نفسِ مبیع میں شریک ہو، اس کے بعد جو حقِ مبیع میں شریک ہو، یعنی جو مشفوعہ گھر کے ساتھ خاص راستے اور پانی کی گزرگاہ میں شریک ہو۔ خاص راستے سے مراد ایسا راستہ ہے کہ اس راستے والوں کو دوسرے لوگوں کو اس راستے پر گزرنے سے منع کرنے کا حق حاصل ہو۔ تیسرے مرتبے پر جارِ ملاصق (وہ پڑوسی جس کا گھر اس مشفوعہ گھر کے ساتھ متصل ہو) کا حق بنتا ہے۔

ان تینوں میں سے اگر پہلا حق دار مطالبہ کرتا ہو تو دوسرے اور تیسرے کو حق حاصل نہیں اور اگر پہلا مطالبہ نہ کرے تو دوسرے کا حق بنتا ہے، جبکہ دوسرے کے مطالبہ نہ کرنے کی صورت میں تیسرے کا حق بنتا ہے، نیز اگر ایک ہی مرتبے کے متعدّد شفیع جمع ہو جائے تو سب کو برابر شفعہ کا حق حاصل ہو گا۔

صورتِ مسئولہ میں فروخت شدہ گھر اور اس کے سامنے سڑک کی دوسری جانب واقع گھر کے درمیان عام راستہ یعنی سڑک واقع ہے، اس لیے وہ جارِ ملاصق نہیں، لہٰذا اس کو شفعہ کا حق حاصل نہیں، جہاں تک اس گھر کے دائیں، بائیں اور پیچھے کی جانب واقع گھروں کا تعلق ہے تو چوں کہ وہ جارِ ملاصق کے زمرے میں داخل ہیں، اس لیے شفعہ کا حق ان تینوں کا بنتا ہے اور تینوں اس گھر میں برابر شفعہ کا حق رکھتے ہیں۔

بڑے بیٹے کے نام سے خریدی ہوئی دکان میں میراث کا حکم

سوال: میرا نام رضوان الدین ہے۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں اور ایک والدہ، جبکہ والد صاحب فوت ہو چکے ہیں۔

جواب: والد صاحب نے زندگی میں ایک دکان میرے بڑے بھائی کے نام سے خریدی تھی، خریداری کی پوری رقم والد صاحب کی تھی، لیکن بڑا بیٹا ہونے کی وجہ سے میرے بڑے بھائی کے نام سے خریدی۔

ابتدا میں دکان کرایہ پر خریدی گئی اور کرایہ والد صاحب لیتے رہے، کچھ عرصے بعد بڑے بھائی نے دکان پر خود کاروبار کیا، گھر سے دور ہونے کی وجہ سے دکان پھر کرایہ پر دے دی۔

گریجویٹی فنڈ میں وراثت کا حکم

سوال: ملازم کی وفات کے بعد گورنمنٹ کی جانب سے ملنے والے گریجویٹی فنڈ کا حکم کیا ہے؟ کیا اس میں وراثت جاری ہوگی؟

جواب: گریجویٹی فنڈ کی مد میں ملنے والی رقم کی ملازم کی تنخواہ سے کٹوتی نہیں کی جاتی، بلکہ یہ اس کی خدمات کے اعتراف اور مالی تعاون کی نیت سے ملازم کو یا اس کے نہ ہونے کی صورت میں اس کی فیملی کے مخصوص افراد کو دی جاتی ہے۔ اس میں وراثت جاری ہونے یا نہ ہونے کے حوالے سے تفصیل درج ذیل ہے:

جو رقم ملازم نے اپنی زندگی میں وصول کرلی ہو، یا وہ زندگی میں قانونی طور پر اس کا اس طرح حق دار ہو گیا ہو کہ وہ اس کا مطالبہ کر سکتا ہو تو وہ رقم اس کے ترکے میں شامل ہو کر ورثا میں تقسیم ہوگی، جبکہ وہ رقم جو اس کی زندگی میں اسے نہ ملی ہو اور نہ قانونی طور پر وہ اس کا اس طرح سے مستحق بنا ہو کہ اس کے مطالبے کا اسے حق حاصل ہو گیا ہو، بلکہ اس کی وفات کے بعد ادارے کی جانب سے اس کی فیملی کے مخصوص افراد کے نام جاری ہوئی ہو تو اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی، بلکہ خاص انہی افراد کی ملکیت ہوگی جن کے نام ادارے کی جانب سے جاری کی گئی ہو۔

لہٰذا مذکورہ صورت میں اگر ملازم زندگی میں ہی اس رقم کا حق دار بن چکا تھا تو اس میں وراثت جاری ہوگی اور اگر وہ زندگی میں اس رقم کا اس طرح سے مستحق نہیں بنا تھا کہ اسے اس کے مطالبے کا حق حاصل ہو گیا ہو، بلکہ اس کے مرنے کے بعد اس کی فیملی کے مخصوص افراد کے نام جاری ہوئی ہو تو پھر یہ رقم میراث میں تقسیم نہیں ہوگی، بلکہ ادارے کی جانب سے جن افراد کے نام جاری کی گئی ہو، خاص ان کی ملکیت ہوگی۔

ایک سے زائد سجدۂ تلاوت

سوال: میں اکثر اوقات میں قرآنِ مجید کی تلاوت کرتا رہتا ہوں، چوں کہ میں دکان میں ہوتا ہوں، اس لیے سجدۂ تلاوت کا موقع نہیں ملتا اور بعد میں بھول جاتا ہوں۔ ابھی بہت سارے سجدے جمع ہو گئے ہیں، ادا کرنے کا طریقہ بتا دیجیے۔

جواب: صورتِ مسئولہ میں بہتر یہ ہے کہ جس وقت آیتِ سجدہ کی تلاوت کی جائے، اسی وقت سجدۂ تلاوت ادا کر لیا جائے۔ فقہائے کرامؒ نے کسی عذر کے بغیر سجدۂ تلاوت کو مؤخر کرنے کو مکروہِ تنزیہی (ناپسندیدہ) قرار دیا ہے، البتہ اگر کسی وجہ سے آیتِ سجدہ پڑھنے کے ساتھ سجدۂ تلاوت کرنا رہ جائے تو ایک ساتھ متعدد سجدۂ تلاوت کرنا بھی درست ہے۔

نیز ان سجدوں سے پہلے اس طرح نیت (دل میں ارادہ) کر لینا کافی ہوگا کہ میرے اوپر جو سجودِ تلاوت واجب ہیں، وہ سجدے ادا کر رہا ہوں۔ جتنے سجدے آپ پر واجب ہیں اگر ان کی تعداد متعین ہے تو بہتر، ورنہ اندازے سے کچھ زیادہ سجدے متعین کر کے سجدے ادا کر لیجیے۔ سجدۂ تلاوت کے لیے ہر سجدے سے پہلے کھڑے ہو کر سجدہ کرنا اور سجدہ کرنے کے بعد کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے، بیٹھے بیٹھے بھی سجدے کیے جا سکتے ہیں، البتہ ہر سجدے میں جاتے اور اٹھتے ہوئے زبان سے تکبیر (اللہ اکبر) پر تلفظ کرنا ضروری ہے اور سجدے میں کم از کم تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ پڑھنا چاہیے۔

جہاز میں ایک دن کا سفر بغیر محرم کیوں ناجائز ہے؟

سوال: یہ مسئلہ بیان کیا جاتا ہے کہ ”اگر اڑتالیس (48) میل (سوا ستتر کلومیٹر) یا اس سے زیادہ مسافت کا سفر ہو تو جب تک مردوں میں سے اپنا کوئی محرم یا شوہر ساتھ نہ ہو اس وقت تک عورت کے لیے سفر کرنا جائز نہیں ہے، حدیث شریف میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والی عورت کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ تین راتوں کی مسافت (سوا ستتر کلومیٹر) کے بقدر سفر کرے، مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا محرم ہو۔

پوچھنا یہ تھا کہ آج کل سفر زیادہ لمبا ہوتا ہے، لیکن اس میں ٹائم کم لگتا ہے۔ کیا اس صورت میں عورت اکیلی سفر نہیں کر سکتی؟ مثال کے طور پر امریکا کا سفر ستتر کلومیٹر سے زیادہ ہے، لیکن اس میں تین راتیں نہیں لگتیں، بلکہ 24 گھنٹے میں بندہ پہنچ جاتا ہے تو کیا اس سفر کے موقع پر بھی محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے؟

جواب: واضح رہے کہ جس زمانے اور ماحول میں اسلامی احکام نازل ہوئے، اس وقت سفر عموماً پیدل یا اونٹ پر کیا جاتا تھا، نیز قافلے کی صورت میں سفر ہوتا تھا۔ دورانِ سفر قافلے کے شرکا اور سواریوں کی ضروریات کا لحاظ رکھ کر مسافت طے کی جاتی تھی اور یومیہ ایک خاص وقت میں سفر کر کے بقیہ دن قافلے کو آرام اور تقاضے پورے کرنے کا وقت دیا جاتا تھا۔ اس اعتبار سے شریعت میں تین دن تین رات کے سفر کو مسافتِ سفر قرار دیا گیا۔

اب ایک دن رات میں (مذکورہ تفصیل کو ملحوظ رکھتے ہوئے) معتدل انداز میں سفر کرتے ہوئے کتنی مسافت طے کی جا سکتی ہے؟ اس کی تحدید میں فقہائے کرامؒ کی آرا مختلف ہیں: احنافؒ نے روایات کی روشنی میں تین دن تین رات سفر کی مسافت کی تحدید اڑتالیس میل (سوا ستتر کلومیٹر) بیان کی ہے۔

معلوم ہوا کہ سفرِ شرعی میں اصل اعتبار اُتنی مسافت کا ہے جو اُس زمانے میں تین دن تین رات میں طے ہوتی تھی نہ کہ اصل مقصود تین دن اور تین رات مسلسل سفر کرنا ہے، چناں چہ قدیم زمانے میں بھی ”برید“ (ڈاک کے گھوڑے) بہت تیز رفتاری سے اور مسلسل سفر طے کر کے پیغامات پہنچاتے تھے، لیکن اس کا اعتبار نہیں کیا گیا، لہٰذا موجودہ دور میں بھی اگر یہی مسافت تیز رفتار سواری سے ایک گھنٹے یا چند منٹ میں ہی طے کر لی جائے یا آیندہ دور میں اس سے بھی کم وقت میں طے کر لی جائے، تب بھی اتنی ہی مسافت کا اعتبار کیا جائے گا۔

مذکورہ تفصیل کی رُو سے عورت کا محرم کے بغیر سوا ستتر کلومیٹر سے زیادہ سفر کرنا جائز نہیں ہے، چاہے وہ اپنی مطلوبہ منزل پر تین دن سے پہلے ہی کیوں نہ پہنچ جائے۔

دجال کب آئے گا؟ کیا وہ اسی جدید (ٹیکنالوجی) دور میں آئے گا؟

سوال: دجال کب آئے گا؟ کیا وہ اسی جدید (ٹیکنالوجی) دور میں آئے گا؟ کیوں کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ زمانہ پھر قدیم دور (تیر اور تلوار والا زمانہ) میں لوٹ جائے گا، پھر دجال کا خروج ہوگا؟

جواب: واضح رہے کہ دجّال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد آئے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا وقت صرف اللہ ہی کو معلوم ہے۔

نماز میں لکھی تحریر پڑھنے سے نماز کا حکم

سوال: نماز کی حالت میں لکھی ہوئی چیز پڑھ لی تو کیا نماز فاسد ہو جائے گی؟

جواب: واضح رہے کہ نماز میں لکھی ہوئی تحریر زبان سے پڑھنے کی وجہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، جس کا اعادہ کرنا ضروری ہے اور اگر زبان سے نہیں پڑھی، بلکہ دل ہی دل میں پڑھی ہے تو لکھی ہوئی تحریر زبان سے پڑھے بغیر محض دل سے پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

املی

دوسری قسط

املی کی کھٹاس، صحت کی مٹھاس

حکیم شمیم احمد

فوائدِ متفرقہ

- املی کے درخت کی خشک چھال جلا کر ناریل کے تیل میں ملا کر جلی ہوئی جگہ پر لگانے سے فوری آرام ہوتا ہے اور مریض کو تسکین ملتی ہے۔
- املی کے پھول قابض اور مسکن ہیں، ان کی پُلٹس آشوبِ چشم میں آنکھوں پر باندھتے ہیں۔ اس کے پھول کو باریک پیس کر لیپ کرنے سے آنکھ کی سرخی جاتی رہتی ہے۔
- املی، شہد روغن ارنڈ (کسٹر آئل) پلکوں پر لگانے سے پلکیں لمبی گھنی ہو جاتی ہیں اور آنکھ پر گوہانجنی ہونے کی صورت میں املی کے بیج گھس کر وقفے وقفے سے لگاتے رہیں تو گوہانجنی ختم ہو جائے گی۔
- سوزاک میں املی کا پانی پینا مفید ہوتا ہے اور املی کے پتّوں کو اُبال کر غرارے کرانے سے خنّاق کی بیماری دور ہو جاتی ہے۔
- بچھو یا بھڑ کے کاٹنے والی جگہ پر اگر املی کا بیج گھس کر لگایا جائے تو زہر دور ہو جاتا ہے۔
- املی مصفّیِ خون ہے، اس کا اچار، مربّہ اور چٹنی بنائے جاتے ہیں اور خوش ذائقہ ہوتے ہیں۔

املی کے مرکبات

شربت تمر ہندی اور جوارش تمر ہندی اس کے مشہور مرکبات ہیں۔

1. املی کا شربت بناتے وقت یہ بات یاد رکھیں کہ اس کو پانی میں بھگونے کے بعد ہاتھ سے نہ ملیں۔ صرف آبِ زلال لیں، تاکہ بدمزانہ ہو جائے۔
2. بطور دوا استعمال کرنے کے لیے ایک سال پرانی املی بہتر سمجھی جاتی ہے۔ بخار صفراوی کی صورت میں چار تولہ املی پانی میں بھگو کر پینا بے حد مفید ہے۔

پیٹ کی جلن، دل کی گھبراہٹ اور گرمی کے لیے یہ نسخہ نوٹ فرمالیں:

ھوالشافی: گلِ نیلوفر پانچ ماشہ، تخم کاسنی سات ماشہ، آلو بخارا خشک پانچ عدد، املی ایک تولہ پانی میں بھگو کر چھان کر پینا مفید ہے۔ املی کا گودا بحری جہاز پر سفر کے دوران ساتھ رکھنا بہت مفید ہوتا ہے، کیوں کہ قے روکنے کے لیے انتہائی مجرّب ہے۔

ایک مریضہ کو املی کے مرکبات استعمال کروائے گئے، جس سے اللہ نے اس کو شفا عطا کی، اس سلسلے میں ایک مریضہ کا دلچسپ واقعہ ملاحظہ ہو۔

کراچی ٹیلی ویژن سینٹر میں ایک ساتھی نے اپنی اہلیہ کے بارے میں مشورہ کیا کہ وہ امید سے ہے اور ایک ماہ کا حمل ہے۔ مسلسل متلی اور قے کی وجہ سے کچھ کھایا پیا نہیں جا رہا، جس کی وجہ سے وہ لاغر ہو گئی ہے۔ اب تک پانچ گائناکالوجسٹ سے مشورہ کر چکا ہوں۔ سب ہی نے مشورہ دیا کہ اسقاط کروا دیا جائے۔

میں نے گھر جا کر مریضہ کی نبض دیکھی تو تشخیص یہ ہوئی کہ جگر میں صفرا بڑھا ہوا ہے اور اس کو سب گرم اور مقوی غذائیں کھانے کا مشورہ دے رہے تھے، جس سے مزید صفرا بڑھ رہا تھا۔ میں نے مریضہ سے کہا کہ اگر آپ کی متلی اور قے بند ہو جائے اور آپ کے جسم کو بھرپور غذا ملنے لگے تو آپ پھر بھی اسقاطِ حمل کروائیں گی؟ مریضہ نے کہا کہ میں اللہ سے بہت ڈرتی ہوں اور یہ میرا پانچواں حمل ہے، اگر متلی بند ہو جائے اور میں سب غذائیں ہضم کرنے کے قابل ہو جاؤں تو ہرگز حمل ضایع نہیں کرواں گی، چناں چہ میں نے اس مریضہ کو شربتِ انار خالص صبح شام پینے کا مشورہ دیا اور دیگر دواؤں کے ساتھ کھانے کے بعد املی سے تیار کی ہوئی جوارش تمر ہندی بھی کھلائی، چند خوراکوں میں متلی بند ہو گئی اور مریضہ سب غذائیں ہضم کرنے لگی۔ ماہِ جون جولائی میں جب آم کا موسم آیا تو میں نے اسے آم کا جوس ایک وقت پینے کا مشورہ دیا کیوں کہ حمل کو پانچ ماہ گزر چکے تھے۔ کچا ناریل اور چند کھجوریں اسے روزانہ کھانے کی تاکید کی۔ الحمد للہ! اس کو اللہ تعالیٰ نے تندرست و توانا بیٹا عطا کیا۔ اس کا نام انھوں نے دانش رکھا۔ ماشاء اللہ! اس نے اب گریجویشن بھی کر لیا ہے اور وہ اب برسرِ روزگار ہے۔ اس ساتھی سے ملاقات ہوتی رہتی ہے اور میں دانش کی خیریت دریافت کرتا رہتا ہوں۔ ایک موقع پر ساتھی نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے مجھے یہ بات بتائی کہ یہ میرا بیٹا، میرے سب بیٹوں میں زیادہ سعادت مند اور فرماں بردار ہے۔ میں نے کہا جہاں تک شفا کا معاملہ ہے، وہ تو حکمِ ربّی کے بغیر ناممکن ہے، لیکن سچ پوچھیں تو اللہ متّقیوں سے بہت راضی ہوتے ہیں اور یہ آپ کی اہلیہ کے تقویٰ اور پرہیزگاری کا ہی ثمرہ ہے۔

مہوش کرن

لوگ ٹوٹ جاتے ہیں ایک گھر بنانے میں

آخری حصہ

رخشی اُٹھ کر اندر چلی گئی اور وہ جلدی جلدی کافی بنانے لگیں۔ٹرے میں کافی کے ساتھ اس کا پسندیدہ کیک، مونگ پھلی اور کینو بھی رکھے، کچن کا چولہا اور لائٹ بند کر کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں، کیوں کہ ابھی کچن سے زیادہ ان کی بھتیجی کو ان کی ضرورت تھی۔ٹرے میں دھواں اڑاتی خوشبودار کافی اور لوازمات دیکھ کر رخشی پھیکا سا مسکرائی اور دونوں اطمینان سے بیٹھ کر چیزوں سے لطف اندوز ہونے لگیں۔

کچھ دیر بعد تابندہ بیگم نے بولنا شروع کیا۔۔۔

سب سے پہلے تو میں یہ کہوں گی کہ الحمداللہ ! تم نے جو بھی کچھ بولا اُس میں مایوسی اور اللہ سے کوئی شکایت نہیں تھی، کیوں کہ یہ سنتِ رسول ﷺ ہے کہ جب دل دکھے گا تو آنکھ تو ظاہر ہے کہ روئے گی، لیکن زبان شکر ہی بولے گی۔

تم نے پوچھا کہ تمہاری غلطی کیا ہے؟ تو تمہاری غلطی نہ ہوتے ہوئے بھی راحیل ایسے ہوگئے ہیں تو بیٹی یہی دراصل تمہاری آزمائش ہے۔

جہاں تک تم نے بات کی کہ کیا تم کسی بھی بھلائی کے قابل نہیں ہو تو جواب تمہارے سامنے ہے، اس رب نے تمہارے ساتھ بھلائی کی، تمہارے سُسر اور نند دونوں تمہاری حمایت میں بات کرتے ہیں اور مسلسل کوشش کر رہے ہیں اور میکے والے اس کڑے وقت میں تمہارا سہارا بنے ہوئے ہیں، پھر الحمدللہ ! تمہارے پاس شعور ہے کہ اپنی پریشانی کا واویلا کر کے دنیا کے آگے تماشہ نہیں بنی ہوئی ہو، بلکہ اپنا غم ہلکا کرنے کے لیے اللہ سے رجوع کر رہی ہو۔

پھر میری جان ہمت ہارنا تو درست ردِّ عمل نہیں ہوا نا !

مانا بہت مشکل وقت ہے، لیکن دیکھو ذرا ! کتنا وقت گزر بھی چکا باقی بھی بیت جائے گا۔یہ دنیا تو ویسے بھی ہم مسافروں کے لیے بس چند دنوں کا پڑاؤ ہے۔

”وہ سب تو ٹھیک ہے چچی جان ! لیکن آپ لوگوں کو اندازہ نہیں میرے کرب کا، اکیلے پن کا، آپ لوگ سمجھ ہی نہیں سکتے۔“ رخشی نے تھکے تھکے سے انداز میں کہا۔

تابندہ بیگم چند لمحے اسے خاموشی سے دیکھتی رہیں اور پھر پوری شفقت سے مسکرا کر بولیں: پیاری بیٹی ! مجھے دوسروں کا تو نہیں پتا، ہاں ! اپنے بارے میں پورے یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ میں تمہارا کرب کافی سمجھ سکتی ہوں۔ دیکھو رخشی ! تمہارے سامنے کی بات ہے، میرے بھی کوئی اولاد نہیں اور اس معاملے میں تو کمی بھی مجھ میں تھی تو سوچو کیا میں نے مشکلات کا سامنا نہیں کیا ہوگا، اب تم کہو گی کہ کم از کم مجھے کسی نے گھر سے تو نہیں نکالا تو اس کا جواب بس یہی ہے کہ میں نے اپنی کمی کا خمیازہ کس کس طرح پورا کیا اور یہ سب کرنے میں کیا کیا نہیں جھیلا، لیکن آخر کار سرخرو ہوئی، اللہ تعالیٰ کے بعد گھر کے کچھ بزرگوں کو بہت کچھ پتا ہے، لیکن شکر ہے انھوں نے میری عزت رکھی۔ تمہیں کیا معلوم بیٹی کہ کبھی گھر سے دھکے کھا کر نکالی گئی یا نہیں۔۔۔ لیکن میں ہمیشہ یہی سوچا کرتی تھی کہ میری مصیبتیں اُن مصائب کے سامنے کوئی اوقات نہیں رکھتیں جو میرے پیارے رسول ﷺ نے جھیلیں۔ان کی زندگی سے تو ہر طرح کے موقع پر صبر کرنا سیکھا جا سکتا ہے۔

365 بتوں کا شہر اور نعرۂ حق اور بدلے میں دینا پڑا 23 سال کا صبر اور میں ان کی امتی ہوتے ہوئے اتنی جلدی ہمت ہار جاؤں۔ جانتی ہوں کہ راستے کٹھن ہوں تو منزلیں حسین ہوتی ہیں اور یہاں تو معلوم ہے کہ منزل جنت ہوگی، پھر بھلا صبر کیوں نہیں، اک ذرا انتظار کیوں نہیں؟ بس یہی سوچتی رہی اور الحمداللہ زندگی گزرتی رہی اور اس رب نے جس حال میں بھی رکھا بہترین رکھا، ورنہ میری زندگی بھی عذاب بن جاتی۔اب کس کی غلطی، کس کا قصور، کس کو سزا ملنی چاہیے اور کس کا گریبان پکڑ کر سوال ہونا چاہیے؟ اِس بحث میں پڑنے کا کیا فائدہ اور اِن باتوں کو سوچ سوچ کر میں اپنی بقیہ زندگی کیوں خراب کروں۔۔۔اصل منصف اللہ سبحان و تعالیٰ ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ کس کا کیا قصور تھا ! ! بس جو گزر گیا اُسے میں گزار آئی ہوں، اب زبان سے دہرانا بھی نہیں چاہتی، اسی لیے میں نے سچے دل سے اپنے ساتھ زیادتی کرنے والوں کو معاف کر دیا ہے اور اِن شاء اللہ، روزِ محشر بھی یہی کرنے کا ارادہ رکھتی ہوں۔

رخشی حیرت میں ڈوبی اُن کی باتیں سن رہی تھی اور دل میں ان کے لیے تعظیم کہیں زیادہ بڑھ چکی تھی۔

وہ کہہ رہی تھیں اور اسی لیے میں تمہیں اِس پُر درد زندگی سے نکال کر حقیقی زندگی کی طرف لانا چاہتی ہوں، جہاں تم عشقِ مجازی کے بجائے عشقِ حقیقی کو محسوس کرنے لگو۔ دیکھو ! زندگی میں آگے کیا اور کب آنے والا ہے، یہ تو ہم دونوں کو معلوم نہیں۔ قسمت کے فیصلے قسمت لکھنے والا جانے، لہٰذا اسی پر چھوڑ دو اور یہ طے کرو کہ تمہیں اپنی زندگی کیسے گزارنی ہے؟ کیا اسی طرح گھسیٹ گھسیٹ کر۔۔۔تو یاد رکھنا کہ ہماری زندگی کا یہ مقصد ہر گز نہیں ہے تو جب اس بات کا شعور رکھتی ہو تو میری جان اس کے لیے قیامت کے دن جوابدہ بھی تو ہونا پڑے گا نا ! اپنی زندگی کا صحیح مقصد ڈھونڈو اور درست سمت کا تعین کرو۔

”ہاں ہاں، بالکل کروں گی چچی جان ! پر کیسے اور کیا کروں گی تو یہ سب ممکن ہو پائے گا، جو آپ کہہ رہی ہیں؟“ رخشی نے بے تابی سے پوچھا۔

”میری گڑیا سب سے پہلے تو راحیل کو سچے دل سے معاف کر دو، اپنے گناہوں پر سچی توبہ کر لو، اسی راحیل کی ناپسندیدگی کی وجہ سے تم نے آج تک باقاعدہ پردہ نہیں کیا، بس اب پرانے وقتوں میں کی غلطیوں کا مداوا کرنے کا وقت آگیا ہے، پردے کا اہتمام کرو، اپنے لیے صبرِ جمیل کی دعا کیا کرو، رب سے بہترین گمان اور امید رکھو، لیکن انتظار کرنا چھوڑ دو، اب اپنی شادی شدہ زندگی کی یادوں کو دہرانا چھوڑ دو، راحیل کی محبت کے لیے بیتاب ہونا چھوڑ دو، بس اب سے اپنی ساری اُلفتیں اس ایک رب پر نچھاور کرنا شروع کر دو۔اپنے خالق سے جڑ جاؤ کہ اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔تم دنیا سے منہ موڑ کر اللہ سے لَو لگاؤ، وہ خود دنیا تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دے گا۔۔۔اب تک تم نے اللہ کی ذات سے صرف اور صرف لیا ہے، مگر اب سے صرف دینا شروع

کر دو، بغیر کسی بدلے کی آس لیے۔۔۔" تابندہ بیگم شدّتِ جذبات سے کہتی چلی گئیں۔

"ٹھیک کہا آپ نے چچی جان! آپ نے تو جیسے مجھے جھنجھوڑ ڈالا، کتنا اچھا ہوا جو بابا اور اماں نے مجھے آپ کے پاس بھیج دیا، میں ضرور جڑوں گی اللہ سے، قرآن سے، رسول سے، ہر ایک خیر سے اور اپنا سب کچھ اللہ کے حوالے کر دوں گی، میں دین کی تعلیم حاصل کروں گی چچی جان! بس آپ دعا کریں۔۔۔

بلکہ ہاں، اس سے یاد آیا کہ میں آپ کے ساتھ اُس قرآن انسٹیٹیوٹ چلوں گی، جہاں سے آپ نے اس شہر آنے کے بعد دین کی تعلیم حاصل کی تھی۔ آپ مجھے لے جائیں گی نا وہاں داخلے کے لیے؟" رخشی نے پُر اُمید ہو کر پوچھا۔

"لو یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ ضرور جاؤں گی تمہارے ساتھ اور فخر سے سب کو بتاؤں گی کہ یہ میری بیٹی ہے۔ سچ بتاؤں تو میں تمہارے منہ سے یہی سننا چاہ رہی تھی۔۔۔ الحمداللہ!" اب تو وہ روتے ہوئے مسکرا رہی تھیں کہ رخشی اُن سے لپٹ گئی اور روتے روتے دونوں ہی ہنسنے لگیں۔

"ہیں ہیں ہیں، بھئی خیریت تو ہے۔ باہر پہلے ہی اتنی تیز بارش ہو رہی ہے، جب اندر آئے تو یہاں بھی موسلادھار برسات جاری ہے اور ساتھ بادل بھی گرج رہے ہیں، اب بیگم کا ہنسنا بادل کی گرج سے کم تو نہیں نا!" حامد صاحب نے ہنستے ہوئے چھیڑا۔

"چچا جان خبردار! جو آپ نے میری چچی جان کو کچھ کہا، جتنی نازک یہ خود ہیں، اُس سے کہیں زیادہ نازک ان کی ہنسی ہے۔" رخشی نے فوراً کہا۔

"جی اچھا منظور ہے ہر بات جو بھی آپ لوگ کہیں، پر اتنا تو بتا دیں کہ آج کھانے کو بھی کچھ ملے گا یا نہیں؟" حامد صاحب نے بیچارگی سے پوچھا۔

"آپ کب آئے؟ ہمیں تو پتا ہی نہیں چلا اور اتنا وقت گزر گیا، یہ بھی بالکل پتا نہیں چلا۔ اس لیے بڑے افسوس کے ساتھ اطلاع دینی پڑ رہی ہے کہ کھانا تو کچھ بھی نہیں پکا۔ اب تو آپ باہر سے لے کر آئیں یا منگوائیں۔" تابندہ بیگم نے شاہانہ انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔ رخشی نے بھی فوراً تائید میں سَر ہلایا۔

"جناب بیگم صاحبہ! آپ نے ہماری بیٹی کو ہنسا دیا، اب تو جو آپ کہیں گی وہی ہو گا۔ بندہ حاضرِ خدمت ہے۔ ابھی آپ دونوں کا پسندیدہ گرما گرم چائینز سوپ اور کھانا آرڈر کرتا ہوں۔" حامد صاحب سعادت مندی سے کہتے ہوئے چلے گئے۔

"ٹھیک ہے، جب تک ہم نماز پڑھ لیتے ہیں۔" تابندہ بیگم یہ کہتے ہوئے رب کا شکر ادا کرتی نماز کے لیے وضو کرنے اٹھ گئیں۔ رخشی بھی اطمینان کا احساس لیے نماز کی تیاری کرنے لگی۔

باہر لاؤنج میں حامد صاحب کھانے کا آرڈر دینے کے بعد فون ہاتھ میں پکڑے سراپا دعا تھے کہ "یا اللہ! میری اس بیٹی پر اپنا رحم کر، اس کے لیے آسانی کا معاملہ کر دے، اس کا گھر بسا رہے، میرے گناہوں کی سزا اس طرح مت دے میرے رب، مکافاتِ عمل اس طرح مت دکھا میرے مالک، میں تا حیات شرمندہ و شرمسار رہوں گا، تیرے سامنے بھی اور تابندہ کے سامنے بھی، ایسی گوہر و نایاب شریک حیات کے قابل میں کہاں تھا؟ الحمدللہ! تو نے مجھے بہت نواز دیا۔ بس روزِ قیامت میری پکڑ نہ کرنا، مجھے معاف کر دینا، معاف کر دینا، معاف کر دینا۔"

"مجھے کوئی ایسی دوا دو جس سے میری یادداشت چلی جائے۔"

"جی!!!" میڈیکل سٹور والا لڑکا اس کی بات سن کر چونک گیا۔

اس نے نظریں اٹھائیں، اس کے سامنے ایک تیس پینتیس سالہ آدمی کھڑا تھا، اس کے بال پراگندہ تھے اور کپڑے میلے کچیلے۔ "یہاں ادویات ملتی ہیں بھائی، زہر نہیں۔" لڑکا بولا۔

"اور مجھے بھی دوا چاہیے، زہر نہیں۔" وہ آدمی اسی کے انداز میں بولا۔

"کون سی دوا؟" لڑکے نے پھر پوچھا۔

"ایسی دوا کہ میری یادداشت چلی جائے۔" وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔

"مگر کیوں؟ آپ کیا بھولنا چاہتے ہیں؟" لڑکے نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"سب کچھ، ہاں میں سب کچھ بھولنا چاہتا ہوں۔" وہ سب کچھ پر زور دیتے ہوئے بولا۔

"کیا ہوا آپ کے ساتھ؟" لڑکے کے لہجے میں نجانے کیوں دکھ درد در آیا تھا۔

"میرے دماغ میں ملامتیں، طعنے، گالیاں، الزامات، تضحیک، حوصلہ شکنی اور بری یادیں بھری ہوئی ہیں۔ یہ سوغاتیں مجھے میرے جاننے والوں نے دی ہیں، اس لیے۔۔۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"اس لیے کیا؟" لڑکے نے بے تابی سے پوچھا۔

"اس لیے میں ان سب کو بھولنا چاہتا ہوں، ان بری یادوں کو بھی اور ان سب لوگوں کو بھی۔"

اس نے اپنے آنسو پینے کی ناکام کوشش کی اور چند آنسو جرات کر کے اس کے رخساروں پر لڑھک آئے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ میں آپ کو اینٹی ڈپریسنٹ ادویات میں سے کوئی دے دوں؟" لڑکے نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

"میرا خیال ہے اس کی ضرورت نہیں۔" ایک نئی آواز نے ان دونوں کو چونکا دیا۔ انھوں نے مڑ کر دیکھا تو ایک ادھیڑ عمر شخص ان کے سامنے تھے اور وہ نہایت دل کش انداز میں مسکرا رہے تھے۔

"کیا مطلب؟" لڑکے نے انھیں حیرت سے دیکھا۔

"مطلب ان کی دوا میرے پاس ہے۔" وہ شخص مسکرائے۔

"کہاں ہے، دو نہ مجھے، جلدی دو۔" وہ آدمی اس ادھیڑ عمر شخص کی طرف بڑھا۔ اس کی بے تابی دیدنی تھی۔ ادھیڑ عمر شخص نے کاؤنٹر پر پڑے پیڈ اور پنسل کو اپنی طرف کھسکایا اور اس پہ کچھ لکھنے لگا، اس کے بعد اس نے وہ کاغذ الگ کیا اور اسے آدمی کے سامنے لہرایا۔

"یہ لو اپنی دوا۔" اس آدمی نے وہ کاغذ جھپٹ لیا اور اسے جلدی جلدی پڑھنے لگا، جیسے جیسے وہ پڑھتا جا رہا تھا اس کا رنگ بدلتا جا رہا تھا۔ کاغذ پہ لکھا تھا: جن لوگوں نے تمہیں تنگ کیا، ان سب کو معاف کر دو، معاف کر دینے کا معنی ہے چھوڑ دینا، مطلب ان کی دی گئی تکالیف کو ذہن میں نہ رکھو بلکہ مکمل طور پر چھوڑ دو۔

اس نے یہ الفاظ پڑھے اور حیرت بھری نگاہوں سے اس شخص کو دیکھا۔ اسی وقت وہ شخص بولا: معاف کر دینا زبان سے نہیں ہوتا بلکہ یہاں سے ہوتا ہے اور یہاں سے بھی۔

اس نے دل اور دماغ کی طرف اشارہ کیا۔

ادھر وہ مسلسل بول رہا تھا: اور یہ بھی سوچو کہ اپنے مسلمان بھائیوں کو معاف کرنے کی سفارش کس کی ہے؟ اللہ تعالیٰ کی، رسول اللہ ﷺ کی، کیا ان کی سفارش اور مشورہ رد کر دینا چاہیے؟

"بالکل نہیں۔ میں کروں گا، سب کو معاف کر دوں گا، میں سب کو معاف کرتا ہوں، دل سے، دماغ سے۔۔" وہ بار بار یہی الفاظ کہتا جا رہا تھا اور اس کا دل و دماغ ہلکا پھلکا ہوتا جا رہا تھا۔

معافی!!!

محمد فیصل علی

آزمائش

انعم توصیف

"ارے بھئی! تم بھی کیا دقیانوسی باتیں کر رہی ہو صفیہ! آج کل لوگ پڑھ لکھ گئے ہیں۔ سوچ وسیع ہو گئی ہے۔ لڑکی کو دیکھنے کے لیے لڑکے کا ماں باپ کے ساتھ آنا معیوب نہیں سمجھا جاتا اب۔" رشتے کروانے والی رشیدہ آپا نے پان چباتے ہوئے کہا۔

"لیکن! پہلی بار میں ہی لڑکے کا آنا میں ٹھیک نہیں سمجھتی، پسند آ جائے ایمن لڑکے کے گھر والوں کو پھر بے شک لڑکا بھی آ کر دیکھ لے۔" صفیہ بیگم نے ہلکی آواز میں اپنی درست بات کو بھی ایسا کہا جیسے ان کا موقف غلط ہو۔

"میں ان لوگوں کو کہہ چکی ہوں کہ لڑکی کے گھر والے کھلے ذہن کے لوگ ہیں۔ خوب تعریفیں کی ہیں میں نے تم لوگوں کی۔ اب جب وہ آنے کے لیے رضامند ہیں تو تم اس طرح کی باتیں کر رہی ہو۔" رشیدہ آپا کے تیور اب بگڑنے لگے تھے۔

"میں منع تو نہیں کر رہی آپا! بس وہ۔۔۔ ایمن کے ابو بھی ابھی اسلام آباد گئے ہوئے ہیں۔ میں اکیلی عورت۔۔۔ مردوں سے بات کیسے کر سکتی ہوں۔"

"تم اکیلی کہاں ہوں گی، میں ہوں تو تمہارے ساتھ۔۔۔ دیکھو! اس طرح آنے والوں کو روکتے نہیں ہیں۔ جانے اللہ کو کون سی بات بری لگ جائے۔ ویسے ہی تمہاری بیٹی کے لیے رشتے لا لا کر میں تھک چکی ہوں۔"

"اچھا آپا! آپ لے آئیں ان لوگوں کو کل۔"

اس خوف سے کہ وہ اپنی بیٹی کے نصیب کے دروازے کو کھلنے سے پہلے ہی بند نہ کر بیٹھیں۔ صفیہ بیگم نے ہتھیار ڈال کر رشتہ ہو جانے کی امید پر رشیدہ بیگم کو اجازت دے دی۔

ان دونوں کی آوازیں صحن میں صفائی کرتی ایمن کے کانوں سے بھی ٹکرا رہی تھی۔ اس کا دل ان باتوں سے پاش پاش ہو رہا تھا۔

"یا اللہ!" اس نے ایک آہ بھرتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے اللہ کو پکارا۔ آنسو آنکھوں کے رستے بہنے کے بجائے زخمی ہوتے دل پر جا گرے۔ سر پر سے دوپٹہ ڈھلک کر پشت پر جا گرا۔ اس نے جلدی سے سر ڈھانپا اور ایک بار پھر کام میں مصروف ہو گئی۔ اس کے رونے دھونے سے اسے کچھ نہیں حاصل ہونا تھا۔ ایک بار پھر اسے ایکسرے مشین کی طرح خود پہ گڑھ جانے والی نظروں کا سامنا کرنا تھا۔ وہ بے بس تھی، بہت زیادہ بے بس۔۔۔ اس کو مضبوط رہنا تھا، اپنے لیے نہیں مگر اپنی پیاری امی کے لیے۔

شام میں فون پر ایمن کے ابو کو مطلع کر کے وہ اب قدرے مطمئن تھیں۔ ایمن کے ابو پہلے تو تذبذب کا شکار ہوئے، مگر پھر وہ بھی ایک مجبور باپ کی طرح خاموش ہو گئے تھے۔

"بیٹا! کل ایک فیملی آ رہی ہے۔ کپڑے وغیرہ نکال لینا اور ہاں چاہو تو آج ذرا پارلر ہو آؤ۔ اپر لپ اور فارہیڈ بنوا لو۔" صفیہ بیگم نے اسے کتاب پڑھتے ہوئے دیکھا تو ہمت کر کے بولیں۔ ہر تھوڑے دنوں کے بعد وہ اس ہی طرح ایمن کو کہتی تھیں۔ آئی برو وہ بنواتی نہیں تھی۔ بس ماتھے پہ سے زائد بال صاف کروا لیتی تھی۔ یا بھنوؤں کے درمیان جو بال بدنما لگتے تھے ان کو صاف کروا لیتی تھی۔

"جی اچھا!" ہمیشہ کی طرح منہ بنانے کے بجائے اس نے تابع داری کا مظاہرہ کیا تو صفیہ بیگم کا دل کٹ کر رہ گیا۔ وہ خود بھی تھک چکی تھیں، اس سب سے مگر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ خاندان میں ایمن کے جوڑ کا کوئی تھا نہیں، مجبوراً شادی کے لیے انھوں نے محلے کی مشہور رشتہ کروانے والی رشیدہ آپا سے رابطہ کیا تھا، جنھوں نے ایڈوانس پانچ ہزار روپے لے کر چھ مہینوں میں پچاس رشتے ان کو دکھا دیے تھے۔ وہ ہر رشتہ لانے سے پہلے یہ ہی کہتی تھیں کہ بس اب کی بار تو شادی پکی سمجھو۔ ان کو اپنے بقیہ بیس ہزار لینے کی جلدی جو تھی۔ کئی بار لڑکے والوں کو لڑکی میں کوئی نا کوئی نقص نظر آ جاتا تو کبھی صفیہ بیگم لڑکے سے مطمئن نہ ہوتیں۔

"صفیہ! تم تو جانے کیا سوچ کر بیٹھی ہو۔ اب اتنی عمر بھی نہیں ہے لڑکے کی۔ بیس ہزار بھی بہت ہوتے ہیں آگے چل کر اور بھی کما لے گا۔ لڑکی کی اپنی قسمت بھی کچھ ہوتی ہے۔ ذرا سا چلنے میں ہی تو نقص ہے باقی تو ٹھیک ہی ہے لڑکا۔" صفیہ بیگم جب کسی وجہ سے منع کرتیں تو رشیدہ بیگم ان کو قائل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتیں۔ شروع شروع میں ایمن احتجاج کرتی کہ یہ کیا ہر ہفتے مجھے گائے بنا کر عورتوں کے سامنے پیش کر دیا جاتا ہے کہ پسند کر لیا جائے، ورنہ چھوڑ دیا جائے۔ آئے دن اسے شادی کی غرض سے دیکھنے والی خواتین اس کے اندر ایسے نقص نکالتی تھیں کہ وہ احساسِ کم تری کا شکار ہوتی جا رہی تھی۔ اس کی اعلیٰ تعلیمی قابلیت، اس کی سگھڑ شخصیت بھی اس کی قسمت کے آگے لاچار تھی۔ کبھی اس کے فربہی مائل جسم کو موٹا کہہ کر اسے رد کیا جاتا، کبھی اس کے سانولے رنگ کو نشانہ بنا کر معذرت کر لی جاتی۔ وہ اللہ کی تخلیق تھی اور اس میں نقص نکالنے والے بھی اللہ کی مخلوق تھے۔

"ایمن کو بلا لو۔" رشیدہ آپا نے صفیہ بیگم سے کہا۔ صفیہ بیگم جو پہلے ہی ڈرائنگ روم

جُنیدامِین

جُنیدامِین

Your Trusted Friend in Real Estate

Sale - Purchase - Rent

22-C, Khyaban e Jami near Baitussalam Masjid Phase IV, D. H. A. Karachi
02135313254 , 02135313319 , 03009213373 Email: junaidameen@live.com

میں بیٹھی ایک ادھیڑ عمر کی عورت کے ساتھ ایک بزرگ مرد، دو جوان لڑکوں کو دیکھ کر پریشان تھیں آپا کی آواز پر وہ بمشکل اٹھ کر دروازے سے باہر نکلیں۔ پانچ منٹ گزر جانے کے باوجود بھی جب وہ ایمن کو لے کر وہاں نہ آئیں تو رشیدہ آپا اپنی گھبراہٹ چھپا کر لڑکے والوں کے سامنے سے اٹھ کر اندر کمرے میں آ گئیں۔

”کیا کر رہی ہو تم دونوں ماں بیٹی! جلدی آؤ، وہ لوگ انتظار کر رہے ہیں۔“

”آپا! آپ نے کہا تھا لڑکا آئے گا، مگر یہ دو لڑکے؟“ صفیہ بیگم نے آہستہ آواز میں احتجاج کیا۔

”ارے بھئی! لڑکا ایک ہو یا دو ہوں، اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ دونوں لڑکوں کو شادی کے لیے لڑکی پسند کرنی ہے۔ اب جس کو بھی ایمن پسند آ جائے۔“ رشیدہ آپا نے بڑے اطمینان سے بتایا۔

”کیا مطلب ہے؟ کیا سمجھ لیا ہے آپ نے مجھے۔۔۔ ایک تو پہلی بار میں ہی اس طرح بابا کی غیر موجودگی میں آپ لڑکے کو لے کر آ گئیں اور اب اس طرح کی بات کر رہی ہیں۔ میں کوئی بے جان شے ہوں جس کو جو چاہے پسند کر کے اٹھا لے۔“ آج ایمن کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔

”توبہ۔۔ توبہ! کس قدر زبان چلتی ہے تمہاری بیٹی کی صفیہ! ایسی لڑکی سے کون کرے گا بھلا شادی؟“ آپا نے اپنے ہاتھوں کو کانوں سے لگا کر کہا۔

”ایمن!“ صفیہ بیگم نے اسے گھورتے ہوئے گھرکا۔ اگلے ہی پل ان کی آنکھوں میں موجود منت سماجت کو محسوس کر کے ایمن نہ چاہتے ہوئے بھی ڈرائنگ کی جانب بڑھ گئی۔ روایتی سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ دونوں لڑکوں کی نگاہیں اس پر ٹکی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد صفیہ بیگم نے ایمن کو وہاں سے جانے کا کہہ دیا تھا۔

”ماشاء اللہ! بہت پیاری ہے آپ کی بیٹی۔۔ تربیت بھی آپ نے خوب کی ہے۔“ لڑکوں کی ماں نے وہیں بیٹھے بیٹھے اپنی پسند کا اظہار کر دیا تھا۔ اس ہی وقت ان میں سے ایک لڑکے نے ماں کو سائیڈ پر لے جا کر کچھ کہا۔ صفیہ بیگم اور رشیدہ آپا اس دوران ورد کرتی رہیں کہ بس اب کی بار کسی طرح یہ رشتہ پکا ہو ہی جائے۔

”آپ لڑکی کو بلا لیں، ہم جانے سے پہلے ایک بار اور مل لیں، پھر تو آنا جانا لگا ہی رہے گا۔“ لڑکے کی ماں نے مسکراتے ہوئے اپنی پسند کا عندیہ دے دیا تو صفیہ بیگم پھولے نہ سمائیں۔

”جلدی اندر چلو۔ وہ لوگ بلا رہے ہیں۔ تم پسند آ گئی ہو ان کو۔ بس آگے بھی سب اچھا ہو۔“ صفیہ بیگم خوشی خوشی کہتے ہوئے ایمن کو ایک بار پھر ڈرائنگ میں لے کر جانے لگیں۔

”بیٹی! بہت پیاری ہو تم ماشاء اللہ!“ عورت نے ایمن کے معصوم چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے محبت سے کہا۔

”گھر کے اندر بھی اسکارف لیتی ہو تم؟“ عورت کے اچانک سوال پر وہ کچھ سمجھ نہ پائی۔

”جی۔۔“ اس نے بمشکل کہا۔

”ایک بار اسکارف اتار کے بھی اگر دکھا دو تو۔۔۔“ عورت کے لفظوں نے شعلوں کی طرح اس کے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

”مطلب؟؟“ وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔ ایمن نے چند مہینے پہلے ہی سر کو ڈھانپنا شروع کیا تھا۔ یہ اس نے اللہ کے لیے کیا تھا۔ وہ پردے کے نچلے درجے پر ہی سہی، مگر اتنا پردہ کرنا چاہتی تھی جس کا کرنا ہر عورت پر فرض تھا۔ نماز پڑھنے سے بھی پہلے جو چیز فرض تھی، وہ تھی ستر چھپانا اور وہ بس ستر ہی چھپانے لگی تھی۔

”میرا بیٹا چاہتا ہے ایک بار۔۔۔“ ابھی اس عورت نے آدھا جملہ ہی ادا کیا تھا کہ آپا بول اٹھیں۔

”ارے بھئی! ایسی کوئی بات نہیں۔ ایمن شرعی پردہ تو کرتی نہیں ہے۔ اسکارف اتارنے میں کیا ہے۔“ رشیدہ آپا جوان کو ہر رشتے کو منع کرنے سے اس لیے روکتی تھیں کہ اللہ کو برا نہ لگ جائے۔ اب ان کو ذرا خوف نہیں تھا کہ اللہ کو برا لگے گا۔

”آپا لیکن!“ صفیہ بیگم نے بیٹی کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر ان کو باز رکھنا چاہا۔

”پریشان نہ ہوں آپ۔۔۔ آج کل فراڈ اس قدر ہو رہا ہے۔ سب کچھ صحیح سے دیکھ بھال لیا جائے۔ بال وغیرہ ہیں بھی کہ۔۔۔“ عورت نے قصداً جملہ مکمل نہ کیا۔

ایمن نے ایک نظر اس عورت کو دیکھا، پھر رشیدہ آپا کی طرف نگاہ کی اور پھر ماں کی جانب دیکھا ان سب کے چہروں پہ ایک ہی بات لکھی تھی کہ یہ اتنی بڑی بات نہیں۔ اس نے ڈرائنگ روم کی کھڑکی سے نظر آتے آسمان کی جانب دیکھا۔ اس کے ایک عمل سے اس کی زندگی میں سکون آ سکتا تھا۔ یہ رشتہ پکا ہو جاتا تو اس کی بھی ان جھمیلوں سے جان چھوٹ جاتی۔

”یا رب! تیرے لیے ایک نیک کام شروع کیا اور تیرے یہ بندے۔۔۔“ اس نے دکھ سے سوچا۔ سامنے بیٹھے دونوں لڑکے تجسّس سے اسے دیکھ رہے تھے۔ بزرگ آدمی کے چہرے پہ سفید داڑھی سجی تھی، مگر اس کے باوجود وہ اپنی بیوی کو اس عمل سے باز نہیں رکھ رہے تھے۔

”میں اسکارف نہ اتاروں تو آپ کیا کریں گی؟ رشتہ نہیں کریں گی؟“ آج پہلی بار ایمن نے تمام لحاظ بالائے طاق رکھ دیے تھے۔

”ایمن!“ صفیہ بیگم نے اس کا ہاتھ دبایا۔

”شادی ہونا نہ ہونا یہ اس رب کے ہاتھ میں ہے، جس رب کے لیے میں نے یہ سر ڈھانپا ہوا ہے۔ اس کو ناراض کر کے، آپ کے بیٹوں کے سامنے بے حجاب ہو جاؤں؟ آپ تو شاید ہاں کر دیں، مگر اللہ کو ناراض کر کے میں کبھی سکون سے نہیں رہ پاؤں گی۔“ ایمن نے مضبوط لہجے میں کہا۔ اس کی آواز سے وہاں بیٹھے تمام لوگوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

”اب برائے مہربانی آپ لوگ اٹھیے اور یہاں دوبارہ آنے کی زحمت مت کیجیے گا، جو لوگ سر سے چادر ہٹانے کا کہہ سکتے ہیں، وہ بھلا کیا کسی لڑکی کو عزت والی زندگی دے سکتے ہیں۔“ سرخ پڑتے چہروں کے ساتھ وہ سب اٹھ کر وہاں سے جا رہے تھے۔ ایمن بھی دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ حق پر ہوتے ہوئے بھی اب اسے آپا اور امی سے گھنٹوں باتیں سننی تھیں، مگر وہ مطمئن تھی، اس نے اپنی خواہش کی خاطر اپنے رب کو ناراض نہیں کیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کا نصیب کب کھلنا تھا، لیکن اسے اطمینان تھا، اللہ اس کے ساتھ تھا۔ تب ہی تو آج اسے ایسی آزمائش سے گزارا گیا تھا۔ آپ کو کیا لگتا ہے کیا ایمن نے یہ ٹھیک کیا؟ آپ ایمن کی جگہ ہوتیں تو کیا کرتیں؟ بتایئے گا ضرور!!

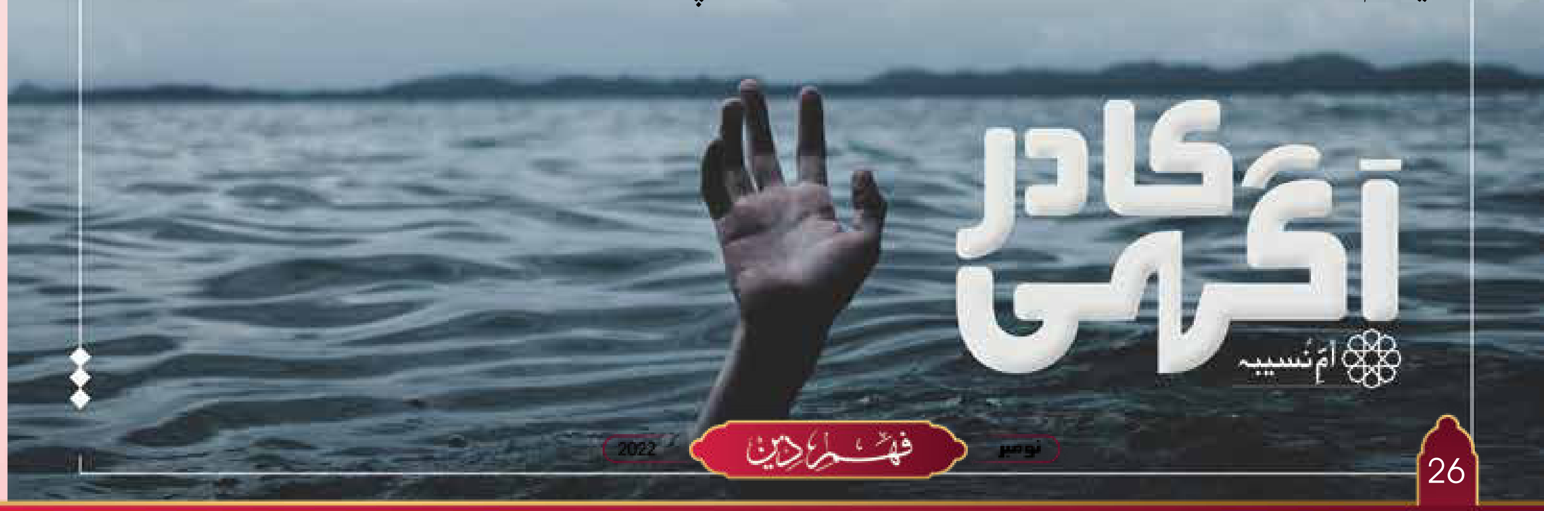

آگہی کا در

ام نسیبہ

”جلدی کرو ثناء دیر ہو رہی ہے۔ بارہ بجے کے بعد کالج میں فارم جمع نہیں ہوں گے۔ دیکھو میں نے کہا تھا پہلے سے تیار رہنا اور تم۔۔۔“ تانیہ کا جملہ ادھورا رہ گیا۔

”ارے ارے! نہ سلام نہ دعا۔ اتنے عرصے بعد مل رہے ہیں ہم، پہلے صحیح طرح مل تو لو اور یہ لو بابا بس ہو گئی تیار۔۔۔ ناشتا بنانے میں ذرا سی دیر ہو گئی تھی۔ ویسے بھی ابھی کافی وقت پڑا ہے۔“ ثناء سلیقے سے نقاب سیٹ کرتے ہوئے بولی۔

”ارے ارے ارے!!! یہ انقلاب کب آیا محترمہ؟“

تانیہ نے ساری باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اچھنبے سے پوچھا۔

”کس انقلاب کی بات کر رہی ہو؟“ ثناء نے جانتے ہوئے بھی انجان بن کر کہا۔

”یہی۔۔۔ جوڈا کو رانی بن رہی ہو ڈھاٹا باندھ کر، یہ اتنا بڑا شامیانہ کس خوشی میں؟؟“

تانیہ حیرت سے منہ کھولے کھڑی تھی۔

”اچھا، پہلے یہ منہ بند کرو، بڑی مضحکہ خیز لگ رہی ہو۔“ ثناء نے ہنستے ہوئے کہا تو تانیہ کا منہ ہی بن گیا۔

ثناء اور تانیہ کی مثالی دوستی کئی سالوں پر محیط تھی۔ دونوں نے ایک ہی سال میٹرک کیا اور دونوں کا نام ایک ہی کالج میں آیا۔ آج داخلے کی غرض سے کالج جانا تھا، دونوں کئی ماہ بعد ایک دوسرے سے مل رہی تھیں، مگر ثناء کو دیکھ کر گویا تانیہ کو جھٹکا ہی لگ گیا۔

”ثناء! میں بتائے دے رہی ہوں، میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں جانے والی۔ مجھے تمہارے ساتھ چلتے ہوئے شرم آئے گی بھئی۔۔۔ کتنی عجیب لگ رہی ہو توبہ!!!“ تانیہ ثناء سے نالاں ہونے لگی۔

دونوں کی ذہنی ہم آہنگی کے باعث پورے اسکول میں ان کی دوستی مثالی رہی تھی، مگر آج تانیہ کو ثناء سے اختلاف ہوا۔

”میری پیاری تانو! مجھے اس بات سے اب فرق نہیں پڑتا کہ میں کسی کو کیسی لگ رہی ہوں۔ میرے دل میں بس یہ اطمینان ہے کہ میں اپنے رب کو اچھی لگ رہی ہوں گی، ان شاء اللہ۔“

ثناء تانیہ کو پیار سے سمجھانے لگی۔

”مگر شرم تو آنکھوں میں ہونی چاہیے اور میرا ماننا ہے کہ دل صاف ہونا چاہیے۔“

تانیہ نے کمزور سی دلیل پیش کی۔

”میری بھولی دوست! اسی سوچ نے تو آدھی انسانیت کو شرم سے عاری کر دیا ہے۔ کیا ہم حیا میں ان ہستیوں سے بھی بڑھ گئے ہیں (نعوذ باللہ) جو دنیا کی سب سے پاکیزہ عورتیں ہیں اور اللہ نے قرآن میں انھیں ہی مخاطب کر کے پردے کے احکامات کے بارے میں ارشاد فرمایا یعنی اب قیامت تک آنے والی ہر مسلمان عورتیں ان پاکیزہ ہستیوں کی پیروی کریں گی۔“

ثناء ہنوز نرمی سے تانیہ کے پاس کھڑی اسے قائل کرنے کی کوششوں میں تھی۔

”ثناء! یہ بھی تو سوچو کہ آج کل لڑکیوں کے رشتوں کے کتنے مسائل ہیں۔ تم پردہ کرو گی تو کون پسند کرے گا تمہیں۔“ تانیہ کو کئی خدشات لاحق تھے۔

تانیہ کی بات سن کر ثناء ہلکا سا مسکرائی۔

”تانیہ! ہم تو اس بات پر کامل یقین رکھتے ہیں ناں کہ ہماری زندگی کا ایک ایک فیصلہ اللہ کے حکم کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ تقدیر پر ایمان لائے بغیر ہمارا ایمان کامل ہی نہیں، پھر رب کی ذات پر یہ کیسی بے اعتباری؟ اور جہاں تک رشتوں کے معاملے میں مسائل کی بات ہے تو کیا پردہ نہ کرنے والی لڑکیوں کو مسائل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا؟؟“ ثناء نے نرمی سے پوچھا۔

تانیہ کو اپنی کہی گئی بات پر شرمندگی ہوئی۔ اسے بات سمجھ میں آ رہی تھی، مگر وہ کچھ تذبذب کا شکار تھی، پوچھنے لگی: ”تمہارا دم نہیں گھٹے گا نقاب میں؟“

”میں نے کسی کتاب میں ایک بات پڑھی تھی کہ جب بھی برقع، نقاب میں گرمی لگے تو قیامت کی گرمی کو یاد کر لینا چاہیے۔ اس وقت کیا عالم ہو گا جب سورج سوا نیزے پر ہو گا۔ سب سے بڑھ کر یہ سوچو ناں کہ رب العالمین کے احکام پر چلنے والوں کو کیا وہ رب تنہا چھوڑ دے گا؟“ ثناء کی آنکھیں بھر آئیں۔

”تم بہت بدل گئی ہو ثناء اور کتنی پیاری باتیں کر رہی ہو، میرے لیے بھی دعا کرنا۔“

تانیہ نے ثناء کو گلے لگایا تو ثناء گرم جوشی سے اس کے گلے لگ گئی۔

”میری پیاری سی سہیلی! جب ایک لڑکی باحجاب ہو کر حیا کے ساتھ سر جھکا کر چلتی ہے ناں، تبھی اس کے باپ بھائی معاشرے میں سر اٹھا کر چلنے کے قابل ہوتے ہیں۔“

ثناء تو یہ کہہ کر اس کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھنے لگی، مگر تانیہ کے لیے آگہی کے کئی در وا ہو چکے تھے۔

بلاعنوان

عمارہ فہیم

صبح کے گیارہ بج رہے تھے، وہ گھر کی صفائی سے فارغ ہو کر اپنی مخصوص اور پسندیدہ جگہ پر موجود تھی اور سامان نکال رہی تھی، کچھ ہی دیر میں اپنی مطلوبہ چیزیں نکال کر مسکراتے ہوئے ایک ایک جار اور بیگ کھول رہی تھی، کلر، برش، اسپنج، کلر ٹرے نکال کر اب کپڑے اور ڈیزائین کی مناسبت سے رنگ دیکھ دیکھ کر الگ کر رہی تھی کہ اچانک پیچھے سے کوئی تیزی سے بھاگتا ہوا اس کے کمرے میں آیا۔

”مجھے معلوم تھا تم یہیں پائی جاؤ گی، اس لیے سیدھی یہیں چلی آئی۔“

اریبہ کی زوردار انٹری پر وہ چونک کر پلٹی اور اسے گھورنے لگی۔

”اب اس میں گھورنے کی کیا بات ہے بھئی! تمہیں معلوم تو ہے چھٹی کے دن میں بور ہو جاتی ہوں اور پھر یہیں آتی ہوں، خیر چھوڑو! یہ کیا تم سبزیوں کی دکان کھول کر بیٹھی ہو؟ ارادے کیا ہیں؟“

اریبہ محترمہ نے مومنہ کی گھوری کو نظر انداز کیا اور اس کی چیزوں کو بغور دیکھنے لگی، مومنہ بھی اریبہ کی ہی کزن تھی تو وہ کہاں پیچھے رہنے والوں میں سے تھی۔

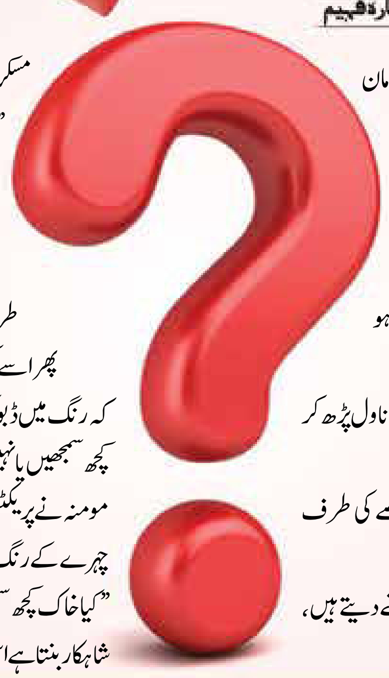

”مجھے معلوم تھا تم بور ہو رہی ہو گی اور ابھی تمہاری انٹری ہونے ہی والی ہو گی، اس لیے بوریت دور کرنے کا سامان نکال رہی ہوں۔“

مومنہ نے اریبہ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

”بوریت ان سے دور کرو گی، اس سے بہتر نہیں کہ کوئی ناول پڑھ لیں، کوئی گیم کھیل لیں، شاپنگ کر لیں، کچھ مزے کا بیک کر لیں۔ کیا تم کبھی سلائی، کبھی کلر، کبھی کچھ لے کر بیٹھ جاتی ہو؟ تھکتی نہیں ہو ان فالتو کاموں سے؟“ اریبہ نے ناک منہ بنائے۔

”اپنی پسند کی چیزوں اور کاموں سے کون تھکتا ہے بھلا! جس طرح تم ناول پڑھ کر نہیں تھکتیں، میں اپنے یہ کام کر کے نہیں تھکتی۔“

مومنہ نے کندھے اچکائے اور اریبہ کو سامان اٹھا کر فرش والے حصے کی طرف لانے کا اشارہ کیا، تاکہ کارپیٹ رنگوں سے خراب نہ ہو۔

”اریبہ یہ جو رنگ ہیں نا! یہ ہمیں نہ بور ہونے دیتے ہیں اور نہ ہی تھکنے دیتے ہیں، مگر شرط ہے کہ ان کے ساتھ دوستی کر لی جائے۔

تم پوچھ رہی تھیں نا! کہ یہ سبزی کی دکان کیوں کھول کر بیٹھی ہوں، تو سنو! ان سے آج اک ڈیزائن بنانے کا سوچ رہی ہوں، اس لیے یہ سب یہاں لائی ہوں۔“

اس مضمون کا بہترین عنوان رکھنے پر تین سو روپے انعام دیا جائے گا۔
عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 30 نومبر ہے۔

مومنہ نے کلر ٹرے کے الگ الگ خانوں میں لال، ہرا رنگ نکال کر اس میں بائنڈر ملاتے ہوئے کہا۔

”ان سے اور ڈیزائن؟ ناممکن!“

اریبہ کو حیرت کا جھٹکا لگا تو اسے سمجھ ہی نہ آیا کہ کیا کہے۔

”یہ کوئی ناممکن والی بات نہیں! دیکھنا کس طرح ان چیزوں کو بھی استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔“

”ہمم! دیکھتی ہوں، آج ہماری آرٹسٹ محترمہ کیسے سبزیوں کو ٹھکانے لگاتی ہیں۔“

”یہ فیبرک کلر لیے اور پھر اس میں بائنڈر ملایا، ایک طرف اسپنج رکھ لیا تاکہ ایکسٹرا کلر اس پر جذب کیا جا سکے، ایک کٹوری میں پیاز، یہ بھنڈی اور یہ پتے رکھ لیے، تاکہ گندگی اور پھیلا پھیلا نہ لگے، اس کے بعد ایک میٹ بچھایا، اس پر ایک اخبار اور رف کپڑا بچھا لیا، اب وہ کپڑا جس پر کام کرنا ہے، اسے بچھایا اور کارنر پر پن لگا دیں، تاکہ ہوا سے کپڑا بار بار اُڑے نہیں۔“

مومنہ اریبہ کو ترتیب بتانے کے ساتھ ساتھ خود عمل بھی کرتی جا رہی تھی، تاکہ وقت بھی بچ جائے اور اریبہ کو سمجھ بھی آ جائے۔

اریبہ مومنہ کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

”پھر؟“ ”پھر یہ کہ جو ہم نے رنگ بنایا ہے، اسے ہم کپڑے پر اپلائی کریں گے۔“

”وہی تو پوچھ رہی ہوں کہ آخر کیسے اپلائی کریں گے؟“

”ارے واہ! تم بڑی بیتاب ہو رہی ہو۔“

مومنہ نے اریبہ کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے شرارت سے کہا۔

”ہاں، جب آدھا کارنامہ دکھا دو گی تو اسے پورا دیکھنے کے لیے تو اگلا بندہ بے چین ہو گا ہی!“

اریبہ نے ناک چڑاتے ہوئے کہا تو مومنہ مسکرا دی۔

”اچھا دیکھو! پھر ہم زیرو نمبر کے بُرش سے بہت احتیاط سے فاصلے فاصلے پر ڈنڈی بنائیں گے، پھر جو پہلے بنائی تھی، دیکھیں گے کہ اس کا رنگ سوکھ گیا، گیلا تو نہیں، اس کے بعد ہی دوسرا کام کریں گے۔ اچھا یہ جو پیاز، بھنڈی، پتے لیے ہیں نا! ان پر کلر لگانے کے دو طریقے ہوتے ہیں، ایک تو یہ کہ بُرش کی مدد سے اس پر رنگ لگائیں اور پھر اسے کپڑے پر احتیاط سے ہاتھ کے ذریعے پریس کریں گے اور دوسرا یہ کہ رنگ میں ڈبو کر پھر اس کا ایکسٹرا رنگ سپنج پر لگا کر پھر کپڑے پر اپلائی کریں گے، کچھ سمجھیں یا نہیں!“

مومنہ نے پریکٹیکل کرنے سے پہلے اریبہ کو سمجھا کر اس کی طرف دیکھا تو اس کے تو چہرے کے رنگ ہی کچھ اور کہہ رہے تھے۔

”کیا خاک کچھ سمجھ آیا، پتا نہیں کیا بولتی گئی ہو، سامنے کرو تو میں بھی دیکھوں، آخر کیا شاہکار بنتا ہے اس سب سے۔“

اریبہ اپنے مخصوص ناک چڑانے کے انداز سے کہتے ہوئے سبزیاں اٹھا کر ہنسنے لگی۔

”اچھا نکمّی اسٹوڈینٹ! اب دیکھو!“

مومنہ نے مسکرا کر اریبہ کو تنگ کرنے کے لیے نکمّی کہا تو اریبہ گھوری دینے لگی۔

”دیکھو! یہ میں نے ایک پتّا لیا، اس پر بُرش سے رنگ لگایا اور پھر اسے اس ڈنڈی کے ساتھ احتیاط سے پریس کر دیا، ہم تھوڑے کڑک پتّے لیں گے، جب لگے گا کہ یہ نرم ہو رہے ہیں تو پھر دوسرے کو لے لیں گے، اس طرح سب ڈنڈیوں کے ساتھ پتّے کا ڈیزائن دیتے جائیں گے، پھر اسی طرح یہ پیاز لیں گے، اس کے اوپری حصے کو کلر میں ڈبو کر ایکسٹرا کلر سپنج پر صاف کر کے اسے ڈنڈی کے اوپر والے حصے پر احتیاط سے لگا کر پریس کریں گے تو یہ پھول کا شیپ بن جائے گا، پھر جب لگے کہ پیاز کا یہ حصہ بہت زیادہ رنگ میں ہو گیا ہے اور نرم پڑ گیا

ہے تواس حصے کو تھوڑاکاٹ دیں گے اور پھر کام کریں گے۔"
مومنہ بہت احتیاط سے پھول بناتی جارہی تھی، ساتھ اریبہ کو سب سمجھا بھی رہی تھی۔
"جسٹ واؤ! امیزنگ، خوب صورت! کیا کہوں! یہ تو بہت پیارالگ رہاہے یار! اب اب کیا کریں گے۔"
اریبہ حیرت سے ساراڈیزائن دیکھ رہی تھی جو واقعتاً بہت پیارالگ رہاتھا۔
"دیکھامیں نے کہاتھانا! کہ تمہیں بہت پسند آئے گا۔
اب یہ جولال اور ہرارنگ ہم نے الگ الگ پھول اور پتّوں کے لیے بنایا تھانا، اسے ملالیں گے ایک جگہ پراور یہ بھنڈی لیں گے، اس کامنہ اوپر سے کاٹ دیں گے، پھراس پر یہ نیارنگ لگاکر ایکسٹرارنگ اسپنج پر نکال کر کپڑے پر دور دور بوٹی کی طرح ڈالتے جائیں گے اور پھر یہی زیرو نمبر کابُرش لیں گے، اسے اچھی طرح دھو کر صاف کریں گے، اس پر یہ سفید رنگ لگاکر یہ جو بھنڈی سے بوٹی بنائی ہے نا، اس کے درمیان میں نقطہ نقطہ لگاتے جائیں گے۔ اس طرح یہ پیارے پیارے چھوٹے پھول بن جائیں گے اوراب میری شرٹ کاسامنہ بالکل تیار ہے۔"
مومنہ نے ایک بہت خوب صورت ڈیزائن سادے کپڑے پر بناکر اریبہ کو حیران کردیا تھااور اریبہ تعریف کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
"اب تم میرے ساتھ مارکیٹ جاؤگی اور اچھاسا کپڑالیں گے اوراس پر اب میں خود تمہاری شاگردی میں تیار کروں گی، یہ کیا! تم اتنااچھاکام کرواور میں پیچھے رہوں۔۔۔ کوئی نہیں!"
اریبہ کی کہی بات پر مومنہ ہنسنے لگی۔
تواریبہ تواپنی شرٹ خودڈیزائن کرنے لیے ہوگئی ہے تیار، آپ بتائیں آپ کو کیسالگاڈیزائن اوراب آپ بہنیں اسے کب اپلائی کررہی ہیں؟؟

حرام مال

مہوش اسد شیخ

"رضیہ تم نے یہاں کہیں ایک ہزار روپے کانوٹ تو نہیں دیکھا؟ ابھی میرے ہاتھ میں ہی تھا، جانے کہاں رکھ بیٹھی ہوں۔"
زریں بیگم نے ادھرادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ رضیہ نے جھٹ سے نفی میں سرہلادیا۔
"کہیں آپ مجھ پر تو شک نہیں کررہیں۔"
آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے بیگم صاحبہ کو گھورا۔
"نہیں۔۔۔ نہیں، رضیہ! ایسی کوئی بات نہیں۔ میں نے تواس لیے کہاہے کہ تم کام کررہی ہو، اگر کہیں دکھائی دیے تو بتادینا۔
زریں بیگم شرمندہ سی ہوکراپنی صفائی پیش کرنے لگیں۔
"نہیں جی، میں نے کہیں نہیں دیکھے اور یہ توآپ جانتی ہی ہیں مجھے چوری کی عادت نہیں۔ آپ فکرنہ کریں، میں صفائی کے دوران دھیان رکھوں گی، جیسے ہی ملے آپ کودے دوں گی۔"
وہ نروٹھے پن سے کہہ کراپنے کام میں مصروف ہوگئی اور زریں دل ہی دل میں پیسے مل جانے کی دعاکرنے لگیں۔
"بی بی جی! میراکام ختم ہوگیاہے، میں جارہی ہوں۔"
کام ختم کرکے اطلاع دی۔
"پیسے نہیں ملے؟" بیگم صاحبہ کے لہجے میں مایوسی تھی۔
"نہیں جی! یہاں تو کہیں نہیں ملے، آپ اپنی الماری دھیان سے دیکھیں۔ اپنا پرس چیک کریں اسی میں ہوں گے۔" تیز لہجے میں جواب ملا۔
"کئی بار دیکھ چکی ہوں، الماری یاپرس میں نہیں ہیں۔"
زریں بیگم نے روہانسے لہجے میں کہا۔
"تو پھر میں کیاکرسکتی ہوں، اگرآپ کو مجھ پر شک ہے تو لے لیجیے میری تلاشی۔ مجھ پراتنی ہی بے اعتباری ہے توکل سے میں نہیں آرہی کام پر، جہاں انسان کی عزت نہ ہو، وہاں تو میں مرکر بھی نہیں جاتی۔" آنکھیں پٹپٹاکر ہاتھ نچاکر جھگڑالو انداز میں بولی۔
"نہیں رضیہ! میں تم پر بھلاکیوں شک کروں گی۔ یہیں کہیں گرے ہوں گے مل جائیں گے۔ تم جاؤ، تمہیں دیر ہورہی ہے۔" زریں منمنائی۔
پہلے ہی بہت مشکل سے ملازمہ ملی تھی، وہ اسے یوں ہاتھ سے جانے نہیں دے سکتی تھی۔
رضیہ گھر سے نکلی اور قریبی گوشت کی دکان کارخ کیا۔ گوشت کے خیال سے منہ میں بار بار پانی بھرے جارہا تھا۔ کتنے ہی دن ہوگئے تھے گوشت کھانے کو دل چاہ رہاتھا۔ کل چھوٹی نے بھی گوشت کی فرمائش کرڈالی تھی، اپنامن تومار سکتی تھی، لیکن بچوں کے منہ سے نکلی ہر بات پوراکرنا اس کامقصد عین تھا۔
"بھائی آدھاکلو گوشت تودینا۔ اچھے والادینا، چربی مت تول دینا۔"
ہزار کانوٹ ابھی جیب سے نکالاہی تھاکہ دور سے بڑابیٹا بھاگتاہوااسی کی طرف آتادکھائی دیا۔
"کیا بات ہے تُو یہاں گلیوں میں کیوں آوارہ گردی کررہاہے، منع بھی کیا تھاکہ گھر سے نہیں نکلنا۔"
اس کے قریب آتے ہی رضیہ نے ڈپٹناشروع کردیا۔
"اماں تجھے لینے آیاہوں، چھوٹی چھت سے گرگئی ہے، جلدی چل وہ بہت رورہی ہے۔" لڑکے نے پھولی ہوئی سانس کے دوران بتایا۔
رضیہ کے ہاتھ پیر پھول گئے، وہ گوشت کو بھولے، گھر کی طرف بھاگنے لگی۔
سلیم تواپنے کام پر تھا، وہ صبح کاگیاشام کولوٹتا تھا۔ رضیہ بھی دو گھروں کاکام کرکے دوپہر کو گھر پہنچتی تھی۔ گھر پر دونوں بہن بھائی ہی ہوتے تھے۔ رضیہ بڑے بیٹے کو بہن کاخاص خیال رکھنے کی تلقین کرکے گھر سے نکلتی تھی۔ آج چھوٹی، بھائی سے آنکھ بچاکر چھت پر چڑھ گئی، آسمان پر رنگ برنگی پتنگیں دیکھتے دیکھتے ٹوٹی ہوئی منڈیر سے نیچے آگری۔
رضیہ ہانپتی کانپتی گھر پہنچی، بچی کے سر سے خون بہ رہاتھااور وہ بے سدھ پڑی تھی۔ اسے اٹھاکر کندھے پرڈالااور قریبی ہسپتال کارخ کیا۔
سر پر ٹانکے لگے اور ایک بازو پر پلستر چڑھادیا گیا جو پیسے گوشت کھانے کے لیے چرائے تھے، وہ ڈاکٹر کی نذر ہوگئے۔
رضیہ شاید بھول گئی تھی کہ برکت ہمیشہ حلال کی کمائی میں ہوتی ہے، حرام مال جیسے آتا ہے ویسے ہی چلا بھی جاتاہے۔ جب آتاہے تواپنے ساتھ کتنی ہی صعوبتیں بھی لے کرآتاہے۔
یہ نکتہ ہم سمجھ جائیں تو حرام کے کبھی قریب بھی نہ بھٹکیں۔

یہ دن بہت مبارک تھا۔ زمین، آسمان، سورج، چاند تاروں کے ساتھ ساتھ پیڑ، پودے، پتے کائنات کا ذرّہ ذرّہ خوشی سے جھوم رہا تھا۔ آج ہمارے نبی ﷺ کی ولادت ہوئی۔ اُدھر فارس کے کسریٰ شاہِ محل میں ایسا زلزلہ آیا، جس کی آواز سب لوگوں نے سنی اور اس محل کے 14 کنگرے گر گئے۔ نجومیوں نے بادشاہ کو بتایا: ”اب اس سلطنت کا زوال آگیا ہے اور یہ 14 حکم رانوں کے بعد ختم ہو جائے گی۔“

اُسی رات اس ملک میں وہ آگ بھی بجھ گئی تھی جو ایک ہزار برس سے روشن تھی اور وہاں کے لوگ اس کی پرستش کرتے تھے۔ اُدھر بنو ہاشم کا خاندان خوشی منا رہا تھا۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی آغوش میں بہت حسین و جمیل بچہ جو دیکھ رہا تھا۔ خوش ہو رہا تھا۔ دیکھنے والوں کی نگاہیں نہیں ہٹتی تھیں۔ حضرت دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی پرورش کی۔ یہ عربوں کا رواج تھا کہ وہ بچے کی ابتدائی پرورش کے لیے گاؤں دیہات کی خواتین کے سپرد کر دیا کرتے تھے۔ دائی حلیمہ جب آئیں تو ان کی اونٹنی لاغر کم زور ہونے کی وجہ سے پیچھے تھی۔ گاؤں کی عورتوں نے اُن بچوں پر ہاتھ رکھا، جن کے سرپرست، والد حیات تھے۔ دائی حلیمہ نے جب آپ ﷺ کو دیکھا، دیکھتی رہ گئیں اور اپنی گود میں لے کر اونٹنی پر بیٹھ گئیں۔ اب اونٹنی سب سے آگے تھی اور خوشی خوشی دوڑ رہی تھی۔ عورتیں حیران تھیں، انھیں کیا معلوم تھا کہ اونٹنی پر سرکارِ دو جہاں ﷺ سوار ہیں۔ حضرت دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رحمتوں اور برکتوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ رات کو دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی روشنی دیکھ کر ایک عورت نے پوچھا۔ تمہارے پاس لگتا ہے دولت بہت آگئی ہے جو رات بھر دیا جلتا ہے اور تمہارا گھر روشن رہتا ہے۔ حضرت دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا مسکرائیں، آپ ﷺ کو اپنی آغوش میں لیتے ہوئے بولیں: ”یہ سب اس بابرکت بچے کی وجہ سے ہے۔ رات کو اس کا چہرہ چاند کی طرح چمکتا ہے، اس لیے میرا گھر روشن دکھائی دیتا ہے۔“

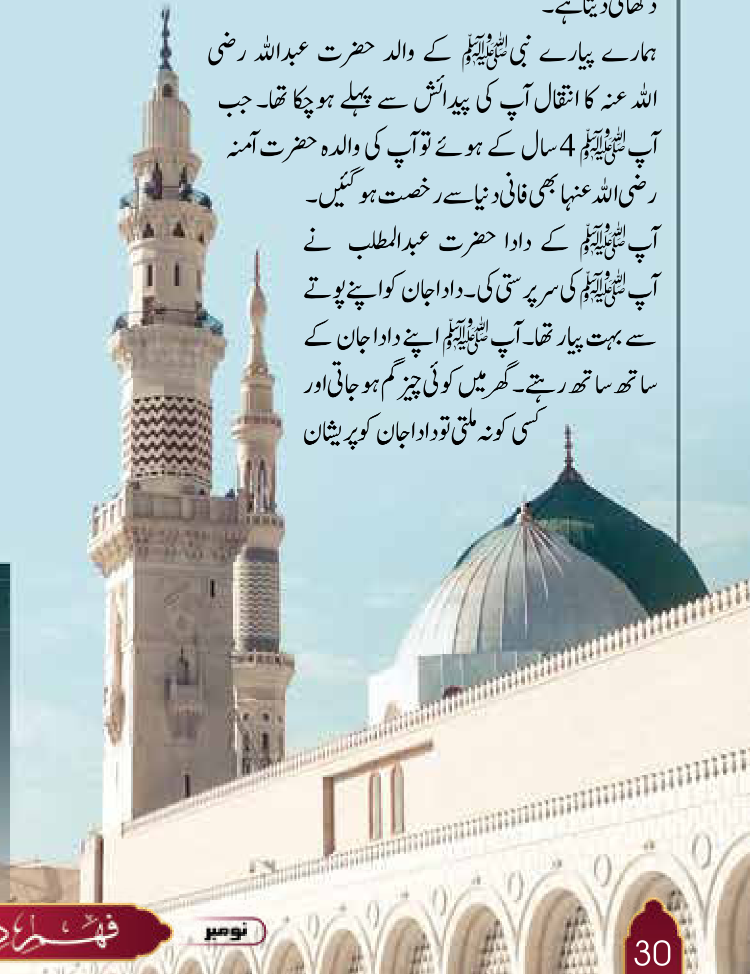

ہمارے پیارے نبی ﷺ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا انتقال آپ کی پیدائش سے پہلے ہو چکا تھا۔ جب آپ ﷺ 4 سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا بھی فانی دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

آپ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپ ﷺ کی سرپرستی کی۔ دادا جان کو اپنے پوتے سے بہت پیار تھا۔ آپ ﷺ اپنے دادا جان کے ساتھ ساتھ رہتے۔ گھر میں کوئی چیز گم ہو جاتی اور کسی کو نہ ملتی تو دادا جان کو پریشان دیکھ کر آپ ﷺ خود تلاش کرتے اور انھیں لا دیتے۔ آپ ﷺ صاف ستھرے رہتے، نفاست سے کھانا کھاتے، سچ بولتے، تہذیب سے ہر بات کا جواب دیتے۔ انھی عادتوں کی وجہ سے آپ ﷺ اپنے دادا جان کی آنکھوں کا نور بن گئے۔ حضرت عبدالمطلب اکثر کہتے:

”میرے اس پوتے میں سلطانوں اور سرداروں جیسی شان ہے۔“

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ مکے کے سردار تھے۔ فیصلے کرتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کو ساتھ بٹھاتے۔ مکے میں قحط سالی ہوئی، بارش نہ ہونے کی وجہ سے سب پریشان تھے۔ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ میں خود اور حضور ﷺ سے دعا کروائی۔ مکہ مکرمہ میں خوب بارش ہوئی اور اس سال خوب فصل اُگی۔ آپ کی دعائیں بہت جلد قبول ہوتی تھیں۔ حضرت عبدالمطلب آپ ﷺ کا بہت خیال رکھتے تھے۔

اچانک اپنے پیارے دادا جان کے انتقال کے بعد آپ ﷺ بہت اُداس رہنے لگے۔ اب آپ ﷺ کی دیکھ بھال آپ کے چچا ابو طالب کرنے لگے۔ چچا کو اپنے بھتیجے سے بہت محبت تھی۔ انھوں نے عام بچوں کی طرح کبھی آپ ﷺ کو لڑتے جھگڑتے نہیں دیکھا، گھر میں کھانے پینے کی کوئی چیز آتی گھر کے اور بچوں کی طرح آپ ﷺ چیزوں پر نہ جھپٹتے، خاموشی سے دوسرے بچوں کو لڑتے، جھپٹتے دیکھتے۔ سوتے تو آپ ﷺ کے لباس پر کوئی شکن نہ آتی اور نہ ہی بال بے ترتیب ہوتے۔ چہرہ مبارک ہر وقت چمکتا۔ آپ ﷺ کے چچا ابو طالب اپنے ساتھ آپ ﷺ کو کھانا کھلاتے تو بہت نفاست سے آپ ﷺ کھانا نوش فرماتے۔ آپ ﷺ نے اپنے چچا کے ہاتھ بٹانے کی غرض سے پڑوسی کی بکریاں چرانا شروع کیں، بکریاں بہت کم زور تھیں، مگر جب سے ہمارے پیارے نبی ﷺ نے انھیں چراہ گاہ لے جاتے تو بکریاں روز بروز صحت مند ہوتی گئیں اور خوب دودھ دینے لگیں۔ بکریوں کے مالک نے خوش ہو کر آپ ﷺ کو اُجرت دی تو ساری رقم آپ ﷺ نے چچا کے حوالے کر دی اور فرمایا: ”چچا جان! اس رقم کو گھر کے اخراجات میں شامل کر لیں۔“

چچا کو اپنے بھتیجے کا یہ ایثار بہت اچھا لگا اور آپ ﷺ انھیں اور عزیز ہو گئے۔ 12 سال کی عمر میں آپ ﷺ نے چچا کے ساتھ شام کا پہلا سفر کیا۔ عیسائی راہب نے جب آپ ﷺ کو دیکھا تو پہچان گیا۔ اُس نے بتایا: ”یہ بچہ اللہ پاک کا رسول (ﷺ) ہے۔ دیکھو! درخت اور پتھر اس کی آمد پر سجدے میں گر گئے ہیں۔ پتھر درخت سوائے پیغمبر کے کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔ اسے لے جاؤ، یہودی اس کو ضرور قتل کر دیں گے۔“ (جاری ہے)

مشکل الفاظ	معنیٰ
ولادت	پیدائش
پرستش	پوجنا
سرپرست	پرورش کرنے والا
ایثار	قربانی
عزیز	پیارے
اُجرت	مزدوری

حصہ اول

بہارِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ڈاکٹر الماس روحی

تو شاہین ہے...!

قرۃ العین خرم ہاشمی

عادل بیٹا! آپ یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہیں؟ سب بچوں کے ساتھ جا کر کھیلو۔

ریحانہ نے مسکرا کر اپنے بھانجے کی طرف دیکھا جو ساتویں کلاس کا طالب علم تھا۔ عادل سر جھکائے کسی سوچ میں گم تھا۔ خالہ کی آواز پر چونک کر متوجہ ہوا۔ پہلے اس نے خالہ اور پھر سامنے والے صوفے پر بیٹھی اپنی ماں ثمینہ کی طرف دیکھا۔

”ریحانہ باجی! عادل کو کھیلنا زیادہ پسند نہیں ہے۔ بس یہ پڑھائی کا شوقین ہے یا کبھی کبھار ویڈیو گیم کھیل لیتا ہے۔“

ثمینہ نے فوراً کہا تو اپنی جگہ سے اٹھتا ہوا عادل، دوبارہ بیٹھ گیا۔

”عادل! آپ ارم اور دانیال کے ساتھ بیڈ منٹن کھیلیں، بہت مزا آئے گا۔“ ریحانہ نے اپنے دونوں بچوں کا نام لیتے ہوئے کہا جو عادل سے ایک دو سال بڑے تھے۔ عادل سر ہلاتا اٹھا اور آہستہ قدموں سے چلتا لاؤنج سے باہر نکل گیا۔

”ریحانہ باجی! آپ کے اصرار کرنے پر میرا بچہ باہر گیا ہے، اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا ناں۔۔۔!“

ثمینہ نے بے چین ہو کر کہا تو ریحانہ مسکرا دی۔

”ثمینہ! بچے کو دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلنے دیا کرو۔ ان کی شخصیت کی مضبوطی کے لیے یہ بہت ضروری ہوتا ہے۔“

ریحانہ نے نرمی سے سمجھایا۔ آج کافی دنوں کے بعد دونوں بہنیں اکٹھی ہوئیں تھیں۔ اس لیے بہت خوش تھیں۔

”دراصل عادل بہت ناز نخروں میں پلا بڑھا ہے۔ آپ تو جانتی ہیں کہ اللہ نے شادی کے پانچ سال بعد ہمیں اولاد کی نعمت سے نوازا۔ میں تو عادل کو ایک لمحے کے لیے اپنی نگاہوں سے اوجھل نہیں دیتی ہوں۔ بس اسکول ہی مشکل سے بھیجتی ہوں۔“

ثمینہ نے فخریہ انداز میں کہا تو ریحانہ نے افسوس بھرے انداز میں سر ہلایا۔

”یہ تو تم عادل کے ساتھ غلط کر رہی ہو۔ بچہ اور پرندہ ایک جیسے ہوتے ہیں جنہیں اڑنے کے لیے آسمان چاہیے ہوتا ہے۔“ ریحانہ نے کہا۔ اس سے پہلے کہ ثمینہ کوئی جواب دیتی ارم اور دانیال جلدی سے بھاگتے ہوئے اندر آئے۔

”ممّا! عادل کھیلتے ہوئے گر گیا ہے۔“

ارم نے پھولی سانسوں کے ساتھ کہا تو ثمینہ گھبرا کر فوراً باہر کی طرف بھاگی۔ ریحانہ بھی پریشان چہرہ لیے اس کے پیچھے گئی۔ لان میں عادل کرسی پر بیٹھا رو رہا تھا۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں پر ہلکی سی رگڑ آئی تھی، مگر وہ اس طرح رو رہا تھا جیسے بہت تکلیف ہو رہی ہو۔ ریحانہ نے حیرانی سے روتے ہوئے عادل اور اس کی فکر کرتی ثمینہ کی طرف دیکھا تھا۔

”دیکھا ریحانہ باجی! اسی لیے عادل کو اپنی نگاہوں سے دور نہیں کرتی ہوں۔“ ثمینہ نے فکرمندی سے کہا۔

”عادل کو معمولی سی خراشیں آئیں ہیں۔ ایسی تو بچوں کو عام لگ جاتی ہے۔ عادل تو بہت بہادر بچہ ہے ناں۔“

ریحانہ نے مسکرا کر بھانجے کی طرف دیکھا تو روتا ہوا عادل ایک دم چپ کر گیا۔ اسے اچانک کچھ یاد آیا اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”جی خالہ! میں ٹھیک ہوں۔“ عادل نے کہا اور پھر ارم اور دانیال کے ساتھ کھیلنے لگا۔ ثمینہ حیران نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

”ریحانہ باجی! میرا عادل دوسرے بچوں کی طرح نہیں ہے۔ وہ پیدائشی طور پر کم زور بچہ ہے اور۔۔۔“

ثمینہ فکرمندی سے کہنے لگی۔ ماں کی بات سن کر بیڈ منٹن کھیلتے عادل کے ہاتھوں کی رفتار کم ہوئی تھی۔ دونوں باتیں کرتی ہوئی واپس اندر چلی گئیں تو عادل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”عادل بھائی! بہت درد ہو رہا ہے؟“ نرم دل ارم نے فوراً پوچھا جو اس سے ایک سال بڑی تھی۔

عادل نے نفی میں سر ہلایا۔

”اسکول میں، پورے خاندان میں سب لوگ مجھے ”مماز بوائے“ کہہ کر پکارتے ہیں۔ میں کیا کروں اگر میں مما کے بہت قریب ہوں۔“

عادل نے اداسی سے کہا تو ارم اور دانیال نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

”ہم بھی اپنی مما سے بہت قریب ہیں مگر۔۔۔!“ دانیال کچھ کہتے ہوئے چپ کر گیا۔

”تم فکر مت کرو، کچھ دنوں تک تمہارا داخلہ بھی ہمارے اسکول میں ہو جائے گا تو ہم ساتھ رہا کریں گے۔“

دانیال نے نرمی سے کہا جو نویں جماعت کا طالب علم تھا۔ عادل کے باپ کا تبادلہ کچھ دن پہلے اس شہر میں ہوا تھا جہاں اس کی خالہ اپنی فیملی کے ساتھ رہتی تھیں۔ ثمینہ تو یہاں آکر بہت خوش تھی۔ باقی کا وقت وہ دونوں عادل کی دل جوئی کرتے رہے۔ ثمینہ اور عادل شام کو واپس چلے گئے تو ارم اور دانیال نے اپنی ماں کو ساری بات بتائی۔ ریحانہ جو پہلے ہی سب سمجھ چکی تھی۔ وہ گہری سانس لے کر رہ گئی، کچھ دنوں کے بعد عادل بھی ان کے اسکول جانے لگا۔

اسکول میں عادل اور دانیال ساتھ ہوتے۔ اکثر ارم بھی ان کے پاس آجاتی۔ وہ لائبریری ساتھ جاتے، لنچ بریک میں بھی ساتھ ہوتے۔

اکثر دانیال، عادل کو اپنے ساتھ کرکٹ کھیلنے میدان میں لے جاتا۔ پہلے پہل عادل بہت ڈرا۔ اس کے ہاتھ سے بیٹ گر جاتا۔ کبھی گیند نظر نہیں آتی، مگر بہت جلد عادل کو بھی کھیلنے میں مزا آنے لگا۔ ایک دن عادل اور دانیال، فٹ بال کی سکول ٹیم کے ساتھ، پریکٹس میں حصہ لے رہے تھے۔ یہ مقابلے اقبال ڈے پر ہونے تھے۔ عادل نے بھی بہت شوق سے حصہ لیا، جب ثمینہ کو اس بات کا پتا چلا تو اس نے بیٹے کو منع کیا، مگر عادل ضد پر اڑ گیا۔ مجبوراً ثمینہ خاموش ہو گئی۔

اقبال ڈے والے دن بڑے سے گراؤنڈ میں تقریری مقابلے اور مختلف خاکے پیش کرنے سے پہلے کچھ کھیلوں کے مقابلے بھی ہونے تھے۔

[بقیہ صفحہ 33 پر]

فیرولینڈ

دوسری قسط

احمد رضا انصاری

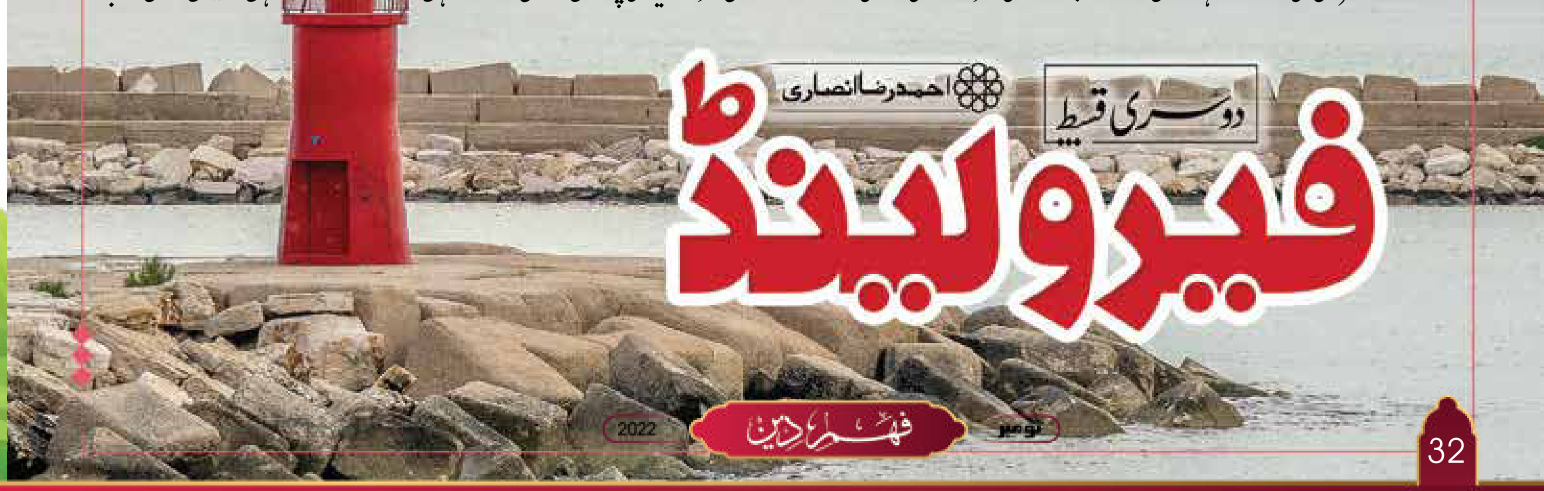

اس کے اسکول میں بس شرمیز ہی تھا جو زاہد کا تمسخر اڑایا کرتا تھا۔ اس کا باپ شہر کی ایک مشہور کمپنی میں اونچی پوسٹ پر تھا۔ گاؤں میں ان کی ذاتی کئی مربعے زمین بھی تھی۔ خوب کھاتے پیتے گھرانے سے اس کا تعلق تھا۔ اپنی بے تحاشا دولت کا اظہار وہ وقتاً فوقتاً اپنے ہم جماعتوں پر کرتا رہتا تھا۔ نئے نئے موبائلز، لیپ ٹاپ، گیمز، روبوٹک کھلونے اور اپنی جدید ماڈل کی اڑن کاروں کی خوب تشہیر کرتا تھا۔ بچے رشک بھری نظروں سے شرمیز کو دیکھتے اور دل ہی دل میں خود کو احساسِ کم تری میں مبتلا کر بیٹھتے۔

زاہد واحد لڑکا تھا جسے شرمیز کی امیری سے کوئی غرض نہ تھی۔ زاہد سوچتا کہ انسان بائیسویں صدی میں پہنچ گیا ہے، لیکن اس کے اندر غرور و تکبر کے جراثیم ویسے کے ویسے موجود ہیں اور شاید آخری وقت تک انسان کے دماغ میں کنڈلی ڈالے بیٹھے رہیں گے۔

ایک دن جب زاہد نے باتوں باتوں میں اپنے کلاس فیلوز سے فیرولینڈ جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو شرمیز حسبِ معمول ٹھٹھا اڑانے لگا۔

”ارے او غریب لڑکے! اپنے خواب زمین تک ہی محدود رکھو، انھیں آسمان سے پرے لے جانے کی کوشش مت کرو، اپنے خواب ٹوٹنے پر اگر خلا سے گرے تو سیدھے سمندر میں غرق ہو گے، ہاہاہاہا“

”شرمیز۔۔۔ تھوڑی تمیز کرو، زاہد تمھیں پلٹ کر جواب نہیں دیتا تو اس کا یہ مطلب نہیں وہ گونگا ہے۔ مذاق کی ایک حد ہوتی ہے اور تم وہ حد بہت پہلے پار کر چکے ہو۔ اپنی زبان کو قابو میں کرنا سیکھو، سمجھے!!! آیندہ ایسی باتیں مت کرنا۔“ ہادی نے زاہد کی نم آنکھیں دیکھیں تو شرمیز سے الجھ بیٹھا۔

شرمیز اس سے پہلے ہادی کو کوئی سخت بات کہتا کلاس کے دو تین اور لڑکوں نے اسے ٹھیک ٹھاک سنا دی تھیں۔ اتنے لڑکوں سے پنگا لینا عقل مندی نہیں تھی، وہ چپ ہو بیٹھا۔ زاہد نے تشکر آمیز نظروں سے ہادی اور اس کے دوستوں کو دیکھا اور کتاب کھول کر سبق دہرانے لگا۔۔

❖

زاہد اسکول سے نکل کر اپنے گھر والی پگڈنڈی پر آیا تو ایک کھیت میں عجیب سی گاڑی دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔

تبھی اس جناتی گاڑی کے عقب سے ابا نکل کر سامنے آیا۔

”ابا یہ کیا چیز بنا دی آپ نے؟“ اپنے ابو کو دیکھتے ہی زاہد دوڑ کر ان کے پاس آیا تھا۔

”پتر! نوید کا آٹو رکشہ خراب ہو گیا سی، اوہندے تینوں پہیے ٹوٹ گئے سی اک حادثے وچ، ایویں بیکار کھڑیا سی اوہندے پاس، اج میں انہوں لے آیا تے اپنے کول کھڑے جیٹو روبوٹ اُتھے جوڑ دتا۔۔۔ ھن اے گڈی تیری ہوئی، مزے نال اسکول آیا جایا کر ایندے اُتے بیھ کے۔۔۔“

ابا مزے سے ساری سرگزشت سناتا چلا گیا۔ ادھر زاہد ہکا بکا کھڑا اس عجیب و غریب سواری کو دیکھے گیا۔ ابا نے تو اچھا خاصا عجوبہ بنا دیا تھا، مشینی پیروں پر چلنے والا آٹو رکشہ۔

آٹو رکشہ آٹو کنٹرول ہی تھا۔۔۔ زاہد کو اس سے متھا پھوڑنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ وہ خود کار طریقے سے چل پھر سکتا تھا، اگلے روز جب زاہد اپنے آٹو پہ چڑھ کر اسکول کے راستے پر چلا تو بلندی پہ بیٹھے اسے نیچے سب چیزیں چھوٹی چھوٹی نظر آئیں۔ ہچکولے کھاتے وہ کچھ ہی دیر میں اسکول کے باہر پہنچ چکا تھا۔ زاہد کی قسمت کہ جس لمحے وہ اپنے آٹو سے اچھل کر نیچے کودا تھا، اسی وقت شرمیز کو اس کا ڈرائیور نئے ماڈل کی اڑن کار میں ڈراپ کرنے اسکول کی پارکنگ میں اترا تھا۔

شرمیز نے پہلے تو حیرانی سے منہ کھول کر زاہد کی عجیب سی گاڑی کو دیکھا پھر زاہد کے چہرے پر چھلکتے اعتماد کو، شرمیز نے آج تک روبوٹس کی طرح چلنے والے آٹو پر سفر نہیں کیا تھا، یہاں وہ زاہد سے پیچھے رہ گیا تھا، اس نے کڑوا سا منہ بنایا اور اپنا بیگ اٹھا کر تن فن کرتا اسکول کی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ زاہد اس کے تاثرات دیکھ چکا تھا، ایک محظوظ سی مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں کا احاطہ کر لیا۔ اس دن اساتذہ اور اسکول کے بچوں نے زاہد کو روبوٹ آٹو کا مالک بننے پر مبارکبادیں دی تھیں۔ زاہد کے لیے وہ دن یادگار تھا، ورنہ اس کا خیال تھا سب زاہد کی انوکھی سواری دیکھ کر آج شرمیز بن جائیں گے، لیکن اس کا یہ گمان، گمان ہی رہا تھا۔ شرمیز اس دن زاہد سے دور دور ہی رہا تھا، اچھا تھا۔۔۔ ورنہ پھر تکرار ہو جاتی دونوں کے درمیان۔۔

❖

اسکول میں سالانہ چھٹیاں سردیوں کے آغاز میں ہوتی تھیں۔ اسکول کے آخری دن سب بچے فری پریڈ میں گپ شپ کر رہے تھے۔ چھٹیوں کو لے کر سب کے اپنے اپنے منصوبے تھے۔ کچھ امیر بچے زمین پر ہی دوسرے ملکوں میں سیر سپاٹے کے لیے جانا چاہتے تھے اور چند لڑکے جن میں شرمیز بھی شامل تھا، ان کا ارادہ مریخ، زینگ مون اور فیرولینڈ گھومنے کا تھا، جبکہ غریب و نادار لڑکے اپنے ملک گھومنے اور کوئی نہ کوئی ہنر سیکھنے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔

زاہد کے دل میں پھر وہی تمنا کروٹیں لینے لگی تھی۔ جی ہاں۔۔۔ فیرولینڈ جانے کی، لیکن ابھی تک تو ہنوز دلی دور است والا معاملہ تھا۔

چھٹی کا بزر گونجا تو سب اپنے اپنے بستے اٹھا کر کلاس روم سے نکلتے چلے گئے۔ الوداعی مصافحہ و معانقہ وہ پہلے ہی ایک دوسرے سے کر چکے تھے۔

واپسی کے سفر میں زاہد اداس تھا۔ اب تین ماہ تک وہ سب ایک دوسرے سے دور رہیں گے۔ یہی سوچ کر اس کی آنکھیں بھر آئیں تھیں۔

❖

زاہد گھر پہنچا تو دیکھا آج ابا خلافِ معمول وقت سے پہلے گھر پر موجود تھے۔ ان کے ہاتھ میں لیپ ٹاپ تھا اور وہ کسی سے باتیں کر رہے تھے۔ ابا کے بہت سارے دوست تھے۔ زمین کے علاوہ دوسرے سیاروں پر بھی ان کی دوستیاں پھیلی ہوئی تھیں۔

بیگ رکھنے کے بعد زاہد کچن میں جانے لگا تو ابا کے منہ سے فیرولینڈ کا نام سن کر چند ثانیے اپنی جگہ ٹھہر گیا۔

”یار! یہ تو بہت خوشی کی خبر سنائی تم نے۔ مجھے امید تھی تم اس مقابلے میں ضرور امتیازی پوزیشن حاصل کرو گے۔ ہاں ہاں! کیوں نہیں، اب اپنے دوست کی خوشی میں بھی نہ شریک ہوں تو فیدہ دوستی دا۔۔۔“ یک طرفہ باتیں زاہد کی سمجھ میں نہیں آئی تھیں۔

کچھ دیر بعد ابا کال کاٹ چکے تھے۔۔۔

”ابا۔۔۔ کس سے باتیں کر رہے تھے آپ اور یہ فیرولینڈ کا نام کیوں لے رہے تھے بار بار؟؟“ مارے تجسّس کے زاہد نے پوچھ ہی لیا۔

”وے پتر! جمشید میرا بچپن دا دوست ہے۔ وہ آج کل فیرولینڈ میں ایک وڈی کمپنی میں ملازمت کر رہا ہے۔ بہت قابل انجنیئر ہے جمشید، اس سال ایک روبوٹک مقابلے میں اس کے بجائے روبوٹ کو بہوتا پسند کیا گیا تے نال ہی جمشید نوں وڈا سارا انعام وی دیا گیا۔۔۔ اسی خوشی میں ناوہ مجھے اپنے پاس بلا رہا ہے۔۔۔ اپنے سب دوستوں کو جمع کر کے پارٹی دے گا۔ کل ہی وہ میرے لیے ٹکٹ وی بھیج دے گا۔“

”ہیں۔۔۔ ابا آپ فیرولینڈ جا رہے ہو؟“ زاہد کی آنکھیں کھل گئیں۔

”جانا تو پڑے گا پتر! جمشید نوں انکار نئیں کر سکدا ایں۔۔۔ مجبور ہوں۔“ ابا بے چارگی سے بولے۔

”ابا یہ تو خوشی کی بات ہے، مجھے بھی لے چل ساتھ، دیکھ میری بہت پرانی خواہش ہے فیرولینڈ جانے کی۔۔۔ جمشید انکل سے کہیں نا مجھے بھی بلائیں، ایک ٹکٹ میرا بھی بھجوا دیں گے وہ۔۔۔“ زاہد جلدی جلدی بولتا چلا گیا۔

اس کے لیے تو یہ حیران کن لمحات تھے، کہاں وہ زمین کے ایک چھوٹے سے علاقے میں رہنے والے اور کہاں فیرولینڈ کا سفر۔۔۔ اس کا ابا زاہد سے زیادہ خوش قسمت نکلا تھا۔ بیٹھے بٹھائے فیرولینڈ جانے کا ٹکٹ مل رہا تھا۔ وہ بھی بغیر کوئی تمنا کیے۔۔۔

”صبر کر صبر، اپنے منہ سے کہتا میں چنگا تھوڑی لگوں گا، تُو کچھ سال انتظار کر۔۔۔ میں پیسے جمع کر لوں تو فیر تیری خواہش پوری کروں گا۔ ابھی تُو بس اپنی پڑھائی پر دھیان دے میرا شہزادہ!“

زاہد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

(جاری ہے)

بقیہ

توشاہین ہے۔۔۔!

فٹ بال میچ کے دوران ثمینہ بہت فکر مند تھی۔ ریحانہ اسے بار بار تسلی دیتے ہوئے، سامنے کھیلتے عادل کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی۔ ارم اور دانیال بھی پیش پیش تھے۔ اچانک مخالف کی ہٹ کی ہوئی فٹ بال سیدھا عادل کے سر پر لگی اور وہ نیچے گر گیا۔ ثمینہ چیخ مار کر رونے لگی۔ سپورٹس ٹیچر نے فوراً عادل کو اٹھایا۔ دانیال بھاگ کر گراؤنڈ میں پہنچا۔ عادل ٹھیک تھا، مگر ثمینہ بہت ڈر گئی۔ وہ عادل کا بازو کھینچ کر کھیل کے میدان سے باہر لے جانے لگی۔ سب لوگ عادل کو میدان سے جاتا دیکھ کر طنزیہ مسکرانے لگے۔

”میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ عادل کو مت لیں۔ ایسے بچے کہاں کھیل سکتے ہیں جو اتنے کمزور اور نازک ہوں۔

ٹیم کیپٹن نے منہ بنا کر کہا تو سب ہنسنے لگے، جبکہ شرمندگی سے عادل کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ثمینہ کو برا تو لگا، مگر وہ چپ رہی۔ اس نے زبردستی عادل کو اپنے ساتھ کرسی پر بٹھایا اور باقی کا پروگرام دیکھنے لگی۔ کھیل کے مقابلے کے بعد، اقبال کی مشہور نظم ”ماں کا خواب“ پر ٹیبلو پیش کیا جانے لگا۔ سب بہت غور سے دیکھ رہے تھے۔

میں سوئی جو اک شب تو دیکھا یہ خواب
بڑھا اور جس سے مرا اضطراب۔۔

”ثمینہ! بہت غور سے دیکھنا! تمھیں اس ماں میں اپنی جیسی ماں نظر آئے گی۔“ ریحانہ نے سنجیدگی سے کہا تو ثمینہ کے ساتھ ساتھ عادل بھی چونک گیا۔

وہ پیچھے تھا اور تیز چلتا نہ تھا
دیا اس کے ہاتھ میں جلتا نہ تھا
کہا میں نے پہچان کر میری جاں
مجھے چھوڑ کر آ گئے تم کہاں

عادل کو ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے سامنے اسٹیج پر کھڑا، بچہ وہ ہے اور شکوے کرتی، روتی اس کی ماں ہے۔

رلاتی ہے تجھ کو جدائی مری
نہیں اس میں کچھ بھی بھلائی مری
دیا پھر دکھا کر یہ کہنے لگا
سمجھتی ہے تو ہو گیا کیا اسے
ترے آنسوؤں نے بجھایا اسے!

ٹیبلو ختم ہوا تو سب نے تالیاں بجا کر داد دی۔ عادل نے سنجیدگی سے ساتھ بیٹھی اپنی ماں کی طرف دیکھا۔

”مما! آج مجھے پتا چلا کہ میں کمزور اور سب سے پیچھے کیوں ہوں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ سب مجھ پر ہنستے ہیں، میرا مذاق اڑاتے ہیں۔ میں کبھی بھی اقبال کا شاہین نہیں بن سکوں گا، کیوں کہ میرے پاس اڑنے کے لیے آسمان تو ہے، مگر ہمت کے پر نہیں ہیں۔۔!“

عادل نے نم لہجے میں کہا اور تیزی سے اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ دانیال اور ارم بھی فوراً اٹھ کر اس کے پیچھے گئے تھے جبکہ ثمینہ صدمے سے گم صم بیٹھی تھی۔ ریحانہ نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو ثمینہ نے نم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

ثمینہ! یہ بات ہی میں تمھیں پہلے سمجھانا چاہ رہی تھی کہ کمزور ماں کے بچے بھی بزدل اور کمزور بنتے ہیں۔ اپنے آس پاس زندہ مثالیں دیکھو۔

باہمت اور جرأت مند لوگ تو جسمانی معذوری میں بھی اپنا نام اور مقام پیدا کرتے ہیں، جبکہ عادل تو ایک مکمل اور صحت مند بچہ ہے۔ تمہارے بے جا لاڈ پیار اور فکر نے اسے اپنے ہم عمر بچوں سے پیچھے کر دیا ہے۔ یہ بات عادل کو احساسِ کمتری میں مبتلا کرنے لگی ہے۔“

ریحانہ نے تحمّل سے ثمینہ کو سمجھایا اور اسے ساری بات بتائی جو اس دن ارم اور دانیال نے بتائی تھی۔ پہلی بار ثمینہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ اس غلطی کی نشان دہی، عادل کے باپ نے کئی بار کی تھی، مگر ثمینہ نہیں مانتی تھی، مگر آج بیٹے کو دکھی اور پریشان دیکھ کر ثمینہ کو سمجھ آ گیا۔

”سوری مما! مجھے آپ سے ایسے بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔“ کچھ دیر کے بعد ارم اور دانیال کے ساتھ شرمندہ چہرے لیے عادل واپس آیا تو ثمینہ نے اسے گلے لگا لیا۔

”عادل بیٹا! آج تمہاری وجہ سے مجھے اقبال کی خودی اور جرأت کا فلسفہ سمجھ آیا ہے، جیتے رہو میرے بچے۔“

ثمینہ نے اس کا ماتھا چوما تو ریحانہ بے ساختہ مسکرا دی۔ وہ جانتی تھی کہ آنے والے وقت میں عادل اس وطن کا وہ شاہین بنے گا، جس کی پرواز کی مثالیں دنیا دے گی۔ بس اسے اڑنے کے لیے اپنی ذات کے پر کھولنے کی ضرورت تھی۔۔۔!

صبا کا صابن

ابلیہ محمد فیصل

صبا کا صابن آج پھر پانی میں تیر رہا تھا۔امی جان غسل خانے کی صفائی کے لیے داخل ہوئیں تو دل مسوس کر رہ گئیں۔

"نہ جانے کب چیزوں کی قدر کرنا سیکھے گی یہ لڑکی!"

صبا ایک دس سالہ پیاری سی بچی تھی۔پڑھائی میں تیز اور کھیل میں آگے رہنے والی۔ صبا کے اندر ایک بری عادت تھی اور وہ تھی غیر ذمہ داری کی عادت۔ چیزوں کو اٹھا کر دوبارہ صحیح جگہ پر نہ رکھنا، نئی چیزوں کو لاپرواہی سے کھو دینا جیسے: پنسل، ربڑ، شاپنر وغیرہ ہر دوسرے روز کھو جانا اور پھر صبا امی کے سر پر نئی چیزوں کا تقاضا لیے سوار ہوتی۔ صبا کی اس عادت نے گھر کے ہر فرد خصوصاً امی ابو کی ناک میں دم کر رکھا تھا۔امی اس مسئلے کا حل سوچ سوچ کر پریشان ہو چکی تھیں، لیکن کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا اور تو اور اب صبا روزانہ نہانے میں حتیٰ کہ ہاتھ دھونے میں بھی صابن کو پانی کے بھرے مگ میں بھیگا ہوا چھوڑ دیتی تھی۔

"اے اللہ! میں کس طرح اس بچی کو سمجھاؤں؟" امی غسل خانے سے بڑبڑاتے ہوئے نکلیں۔

"اے ہے، کیا ہوا بہو! کس سے باتیں کر رہی ہو؟" دادا جان نے صبا کی امی کو پکارا۔

"وہ ابا جی صبا کی عادتوں نے دم نکال دیا ہے اور پھر امی نے صابن والی حرکت ابا جی کو تفصیل سے بیان کی۔

"ہمم!" دادا جان نے ہنکارا بھرا اور پھر ایک ترکیب لڑانے کا سوچا۔

"صبا گڑیا! ادھر آیئے۔۔" دادا جان نے صبا کو لاڈ سے پکارا۔

"جی دادا جان؟" صبا فوراً حاضر ہو گئی۔

"وہ نومی، عادی اور بسمہ کو بھی لے آیئے، آج ایک مقابلہ کروانے کا جی چاہ رہا ہے۔"

"سچی!" صبا خوشی سے چہکی۔

اب تمام بچے دادا جان کے سامنے براجمان تھے۔

"دیکھو! یہ مقابلہ ایک ہفتہ تک چلے گا اور جو اس مقابلے کو جیتے گا اسے ایک خوب صورت تحفہ دیا جائے گا۔"

"واؤ!!" دادا جان کی بات سن کر سب بچے بولے۔

"مگر دادا جان! مقابلہ ہے کیا؟" صبا نے آنکھیں پٹپٹا کر پوچھا۔

"یہ بات ہی تو اصل ہے۔ مقابلہ ہے گھر کی تمام چیزوں کو جہاں سے اٹھایا جائے دوبارہ وہیں رکھا جائے اور جس بچے نے پورا ہفتہ ترتیب سے تمام چیزوں کو رکھا اور کسی بھی چیز کو لاپرواہی سے کھویا یا ضایع نہیں کیا وہی دراصل انعام کا حق دار ہو گا۔"

"مگر دادا جان کس نے چیزوں کو ترتیب سے رکھا اور ضایع نہیں کیا، اس بات کا پتا کیسے چلے گا؟" عادی کا سوال معقول تھا۔

"اس بات کا فیصلہ امی جان کریں گی۔" دادا جان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

صبا جو مقابلے کا سن کر سب سے زیادہ پر جوش تھی، اب وہی خاموش سی مسکین صورت لیے بیٹھی تھی۔

"کیا ہوا صبا! تمہارے چہرے پر بارہ کیوں بجے ہوئے ہیں؟" بسمہ نے سوال کیا۔

وہ، وہ کچھ نہیں۔۔۔" صبا سے جواب نہیں بن پایا۔

"بس! مقابلے کا وقت شروع ہوتا ہے، اگلے ہفتے اسی وقت اور اسی دن یہاں ملاقات ہو گی، لیکن روزانہ رات کو عشاء کے بعد ہر کسی کی کارگزاری کے مطابق نمبر بتائے جائیں گے اور ان نمبروں سے آگاہ کریں گی ہماری جج امی جان۔" دادا جان نے میٹنگ برخاست کرتے ہوئے کہا۔

اگلے دن سے گھر کا نقشہ ہی بدلا بدلا سا تھا، صبا کے علاوہ تمام بچے ذمہ دار تو تھے، لیکن اب تو زیادہ ہی ذمے داری دکھانے لگے، صبح اسکول جانے سے پہلے سب کے بستر صاف تھے، چادریں لپٹی ہوئی تھیں، جب کہ رات کے کپڑے بھی الگنی پر لگے تھے۔ صبا نے بھی بھرپور کوشش کی، مگر صبا آج پھر صابن کو پانی میں تیرتا چھوڑ آئی تھی۔امی تأسف سے سر ہلا رہی تھیں۔ شام میں دادا جان نے دس میں سے نمبر دینے کا نیا اعلان صادر کیا اور سب کو اس میں سے نو، جب کہ صبا کو اس میں سے آٹھ نمبر ملے تھے اور ساتھ ہی سب کو اپنی اپنی کوتاہی خود ڈھونڈنا تھی، جس کی بنا پر اسے کم نمبر ملے۔ صبا اپنے ننھے دماغ میں زور لگا کر سوچتی رہی کہ اسے دو نمبر کیوں کم ملے، مگر کچھ نہ سمجھ پائی۔

صبح جلدی جلدی واش روم سے نکلتی صبا کو یک دم پانی میں تیرتا صابن نظر آیا اور ساتھ ہی اپنے دو نمبروں کی کٹوتی بھی سمجھ آ گئی۔ صبا نے بڑے پیار سے صابن اٹھا کر صابن دانی میں رکھا اور مسکراتی ہوئی واش روم سے باہر آ گئی۔ صبا بہت خوش تھی، کیوں کہ اب اسے پورے نمبر ملنے والے تھے اور پھر انعام بھی ملنے والا تھا۔ دادا جان اور امی جان یہی تو چاہتے تھے کہ صبا کو اپنی غلطی کا احساس ہو جو آخر کار ہو ہی گیا۔

"پیارے بچو! کیا آپ تو ایسی لاپرواہیاں اور کوتاہیاں تو نہیں کرتے؟؟؟"

ایک درخت ایک انٹرویو

قومی درخت

سمیرا انور

ایک دس سالہ پہاڑی لڑکی سومی جو جنگل کے قریبی گاؤں میں رہائش پذیر ہے۔ وہ جنگل کے پرندوں، جانوروں اور درختوں سے بہت محبت کرتی ہے۔ اس نے کچھ مشہور درختوں کی ایک فہرست تیار کی ہے، جن کا وہ انٹرویو لے گی۔ درخت اپنے انٹرویو میں اسے اپنی اہمیت اور افادیت کے بارے میں آگاہ کریں گے۔

سومی کے دو ننھے دوست بھی اس کے ساتھ ہوں گے۔ گوشو میاں مطلب خرگوش۔۔۔لالی صاحبہ، یعنی ایک پہاڑی بکری۔

گوشو میاں سومی کے ساتھ مل کر مائیک کے تار اس درخت پر سیٹ کرے گا، جس کا انٹرویو ہو گا۔ لالی بکری کے ہاتھ میں ایک ڈائری ہے، جس پر وہ سارے انٹرویو کی عبارت تحریر کرے گی۔

"درخت ہمارے ملک کا قیمتی اثاثہ ہیں۔ ہمیں زیادہ سے زیادہ درخت لگانے کی کوشش کرنی چاہیے، کیوں کہ ان کے بغیر ہماری زندگی بے رنگ ہے اور ان سے ملنے والی آکسیجن ہمارے سانس کی بحالی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔" یہ کہتے ہوئے سومی نے اپنے دوست گوشو کے ہاتھ سے مائیک لیا اور ایک گھنے درخت کی طرف بڑھ گئی۔

"آج ہم جس درخت کا انٹرویو لیں گے، وہ پاکستان کا قومی درخت بھی کہلاتا ہے۔" لالی! کیا تم مجھے پاکستان کے قومی درخت کا نام بتاؤ گی؟" سومی نے اپنے پیچھے چلتی لالی بکری سے پوچھا۔

"مجھے بھی معلوم ہے سومی! کیا میں بتاؤں؟" گوشو خرگوش نے کہا۔

"نہیں، لالی بتائے گی۔" سومی نے سوچ میں گم لالی کی طرف دیکھا۔

"سومی! مجھے نہیں معلوم۔" لالی نے جواب دیا۔

"اچھا کوئی بات نہیں، گوشو تم بتاؤ۔" سومی نے پوچھا۔

"دیوادر" گوشو جلدی سے بولا۔

"شاباش گوشو میاں! آج ہم دیودار درخت کا انٹرویو لیں گے۔" سومی ایک اونچے درخت کے پاس پہنچ گئی۔ گوشو نے مائیک کی تاریں درخت کے تنے کے قریب رکھ دیں اور انھیں ترتیب دینے لگا۔ لالی بکری نے اپنی ڈائری اور قلم نکال لیا۔

"انٹرویو شروع ہو رہا ہے۔" سومی نے مائیک لیتے ہوئے کہا۔

"پیارے دیودار، السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟ آج ہم آپ کا قیمتی وقت لیں گے اور آپ ہمیں اپنے بارے میں بہت سی معلومات دیں گے۔" سومی نے مسکراتے ہوئے دیوادر کے درخت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"وعلیکم السلام! سومی آپ ہمارے جنگل کی خوش حالی کے لیے بہت اہم کام سر انجام دے رہی ہیں، اب آپ نے انٹرویو کے ذریعے ایک عمدہ سلسلہ شروع کیا ہے، اس میں ہمارا جنگل آپ کو خوش آمدید کہتا ہے۔" دیودار کے درخت نے کہا۔

"بہت شکریہ میرے جنگل کے پیارے ساتھی! سب سے پہلے آپ اپنے بارے میں بتائیے کہ پاکستان کے کن علاقوں میں پائے جاتے ہیں اور اس کے علاوہ دنیا کے اور کون سے ممالک میں موجود ہیں؟" سومی نے پہلا سوال کیا۔

"میرا درخت پاکستان میں زیادہ تر شمالی علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ پاکستان سے باہر ترکی اور لبنان میں پایا جاتا ہے۔" دیودار کے درخت نے جواب دیا۔

"درخت کی لمبائی اور اونچائی قریباً کتنی ہو گی؟" سومی نے پوچھا۔

"لمبائی قریباً چالیس سے پچاس میٹر تک چلی جاتی ہے اور اونچائی بھی قریباً پچاس میٹر ہی ہے۔" گوشو تنے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور لالی کا ہاتھ تیزی سے لکھنے میں مصروف تھا۔

"کیا دیودار سدا ابہار درخت ہے؟" سومی نے پوچھا۔

"جی بالکل، یہ ہر موسم میں لگایا جا سکتا ہے اور اسے باغوں اور باغیچوں کی خوب صورتی بڑھانے کے لیے لگایا جاتا ہے، کیوں کہ اس کے پتے مخروطی انداز سے بڑھتے ہیں۔" دیودار کا جواب سن کر سومی نے اس کی شاخوں پر موجود سوئی نما پتوں کو دیکھا۔

"کیا یہ بیج سے اگ سکتا ہے؟" سومی نے اگلا سوال کیا۔

"ہاں بالکل۔ یہ بیج سے باآسانی اگتے ہیں۔ کسی کپ یا گملے میں زرخیز مٹی ڈال کر اس میں اس کے بیج لگا دیں۔ بیج والے گملے کو کسی دھوپ والی جگہ یا کھڑکی کے پاس رکھیں۔ بیج والی مٹی کو نمدار رکھیں، جب بیج سے ننھا پودا نکل آئے اور اس کی لمبائی پندرہ سینٹی میٹر ہو تو دھوپ والی جگہ کا انتخاب کر کے ایک سوراخ کھودیں جو گملے کے سائز سے تین گنا زیادہ ہو۔ اس سوراخ میں پودا لگا دیں۔ پودے کے لیے اعلیٰ قسم کی کھاد کا استعمال کریں۔ نمی کی مقدار کو روکنے اور درخت کی حفاظت کے لیے اس کے ارد گرد پانچ سینٹی میٹر کیچڑ کی سطح رکھیں۔" دیودار کے درخت نے تفصیل سے بتایا۔

"کیا دیودار کا درخت کم جگہ پر لگایا جا سکتا ہے؟" سومی نے پوچھا۔

"نہیں دیودار اس جگہ لگائیں، جہاں اس کے پھیلنے کے لیے کافی گنجائش ہو۔" جواب ملا۔

"کیا دوسرے درختوں کی طرح دیودار بھی کیڑوں کا شکار ہوتا ہے؟" سومی نے آخری سوال کیا۔ یہ سن کر دیودار کے درخت نے سر ہلایا۔

"ہاں بالکل، نوک دار کیڑے دیودار کے پتوں سے چمٹ جاتے ہیں۔ ان سے بچنے کے لیے کیڑے مار ادویات کا استعمال کیا جاتا ہے۔" دیودار نے جواب دیا۔

"میرے پیارے درخت! آپ کا بے حد شکریہ۔ اب ہمیں اجازت دیں۔" سومی نے اپنے دونوں دوستوں کو واپسی کا اشارہ کیا۔ اگلی بار سومی ایک نئے انٹرویو کے ساتھ آئے گی۔

جستجو کیا ہے

تنزیلہ احمد

گزشتہ شام سے رحیم بخش بہت خوش تھا۔ ساری رات مارے خوشی کے وہ ڈھنگ سے سو بھی نہ پایا، اسی لیے منہ اندھیرے ہی اٹھ بیٹھا۔ وجہ مسّرت یہ تھی کہ آج وہ ابا کے ساتھ مچھلی کے شکار پر جانے والا تھا۔ جال، پائپ، چھوٹی بوتل میں موجود ڈیزل سمیت ضرورت کا سامان تھامے مخصوص وقت پر وہ جیوانی کے سمندر کی جانب آ نکلے۔ لکڑی کی چھوٹی کشتی کو خراب ہونے سے محفوظ رکھنے کے لیے ہر ماہ ایک خاص قسم کے مواد سے لیپ کیا جاتا، جس کی مخصوص مہک کشتی میں بیٹھتے ہی رحیم بخش کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ چند ایک اور ماہی گیر بھی اپنی کشتیوں میں پہلے سے وہاں موجود نظر آئے۔ یقیناً وہ بھی آج بڑا شکار کرنے کی نیت سے آئے تھے۔

''پیارے اللہ! تو سب جانتا ہے ناں، ہمیں جو چاہیے تجھے پتا ہے، ابا کی کوشش کام یاب کر دے۔۔۔'' رحیم بخش نے آنکھیں بند کر کے اپنے ننھے ہاتھ اٹھائے اور زیرِ لب دعا مانگنے لگا۔ کئی ہفتوں سے پریشان حال اس کا ماہی گیر باپ بھی دل ہی دل کچھ ایسی ہی دعا مانگ رہا تھا۔

''خدا بخش کیا ہو گیا ہے، کیا سوچتے رہتے ہو؟ بچہ مچھلی پکڑنے میں اب تمہارا دل کیوں نہیں لگتا؟'' بخت بی بی نے اسے خلاؤں میں گھورتے دیکھ کر سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔

''سوچتا ہوں کہ جس کی جستجو ہے، وہ کب اور کیسے ملے گی؟'' خدا بخش نے پُرسوچ نظروں کو اِدھر اُدھر گھماتے ہوئے جواب دیا۔ ان کے دونوں بچے کھلے آسمان تلے جھلنگا چارپائی پر محوِ خواب تھے۔ خستہ حال بیس فٹ کا جھونپڑی نما گھر جس کی چار دیواری کے نام پر پھٹے پرانے پیوند لگے جال ڈنڈوں کے سہارے لٹکائے گئے تھے۔ ایک بوسیدہ سا کمرہ جس میں ضرورت کی بس چند اشیا اور بخت بی بی کے جہیز کا ایک جستی ٹرنک تھا۔

''پر ایسے کیسے چلے گا، کچھ بھی شکار نہ کیا تو نوبت فاقوں تک آ جائے گی۔ کتنے ہفتے گزر گئے کوشش کرتے پر۔۔۔'' بی بی نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑا۔ اپنے شوہر کے سامنے کام یابی نہ ملنے کا ذکر کر کے وہ اسے مزید افسردہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''نیک بخت! میں سب جانتا ہوں۔ حکومت نے سمندری پانیوں میں چھوٹی مچھلیوں کے شکار پر پابندی لگا دی ہے۔ بچہ مچھلیاں شکار ہوتی رہی تو ان کو بڑی مچھلیاں بننے اور افزائشِ نسل کا موقع نہیں مل سکے گا۔''

''پر نایاب مچھلی کا شکار انتہائی مشکل ہے۔ مہینا بھر سے کوشش میں لگے ہو، کئی کئی دن تک جال پھینک کر انتظار کرتے رہے، مگر۔۔۔ پتا نہیں ہاتھ لگے یا نہ لگے۔۔۔''

''خوشی آسانی سے کہاں ملتی ہے۔ محنت اور صبر سے کام لینا پڑتا ہے۔ پچھلے سال کرم دین کو ملی تھی تو مجھے بھلا کیوں نہیں مل سکتی؟''

''اور اس صبر آزما وقت میں بچے بھوک سے بلبلانے لگے تو؟''

''بچوں کی خاطر تو سب کر رہا ہوں۔ ہماری تو جیسی تیسی گزرتی جا رہی ہے، پر میں چاہتا ہوں میرے بچے پڑھیں لکھیں، اچھی زندگی گزاریں، افسر بنیں۔۔۔'' اس نے کھوئی کھوئی آواز میں کہا۔

''حقیقت کی دنیا میں لوٹ آؤ خدا بخش۔۔۔ جاگتی آنکھوں سے اتنے بڑے بڑے خواب نہ دیکھو۔۔۔''

''بڑے خواب دیکھنے کا حوصلہ رکھنے والے ہی بڑے بڑے کام کر سکتے ہیں۔۔۔'' اس کی منطق نے بخت بی بی کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا تھا۔

سمندر کنارے لگے شیڈ کے نیچے بیٹھے مچھلی کے شکار کے لیے جال بنتے ماہی گیر خوش گپیوں میں مگن تھے۔ موضوع گفتگو سب کا پسندیدہ تھا۔ نایاب مچھلی کے ہاتھ آنے کے پرانے قصے نکال نکال کر دہرائے جا رہے تھے۔ جنھیں سن کر خاموشی سے جال بنتے خدا بخش کے ذہن میں کئی منظر تازہ ہوئے۔

ماہی گیروں کی چھوٹی سی بستی میں اس روز عید کا سا سماں تھا۔ مفلس حال لوگوں کے پیٹ اور جال چاہے بھرے نہ ہوتے، مگر دل بہت بڑے تھے۔ ایک دوسرے کی خوشی میں خوش سبھی بھنگڑے ڈال رہے تھے۔ خبر ہی اتنی بڑی تھی، جس نے سنی گنگ رہ گیا۔

''رقبے کے لحاظ سے پاکستان کے سب سے بڑے صوبے بلوچستان کے ساحلی علاقے جیوانی سے پکڑی جانے والی صرف ایک مچھلی بہتر لاکھ روپے میں فروخت ہوئی۔''

اپنی خوش قسمتی کا ستارہ عروج پر ہونے والے روز شکار پر آنے سے قبل کرم دین کے شاید وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کی زندگی کی کایا پلٹنے والی ہے۔ صرف ایک مچھلی اپنی زندگی ہار کر اس کی زندگی سنوار جائے گی۔ کراچی سے مچھلی منڈی کے بیوپاریوں نے نایاب مچھلی خریدی اور اس کے وارے نیارے ہو گئے۔ خبریں چلیں، خبر رساں اداروں کے نمایندے انٹرویو کرنے آئے۔ تصاویر بنیں، بہت کچھ لکھا اور کہا گیا۔۔۔ کئی دنوں تک رہنے والی ہل چل سبھی کی یادداشت میں جوں کی توں محفوظ تھی۔ کبھی کبھار کسی ماہی گیر کو ایسی دو چار مچھلیاں مل جاتیں تو کسی کو زیادہ۔ ایک مرتبہ ماہی گیر عمر کے ہاتھ تقریباً ایک کروڑ روپے مالیت کی ایسی مچھلیاں لگی جو مقامی زبان میں تھیلی/ تھیری پکارے جانے والی مچھلی سے مشابہ تھیں۔

''ابا ہمیں کس نایاب مچھلی کی تلاش ہے؟'' رحیم بخش نے اپنے باپ سے سوال کیا جو مقامی طریقے جسے اڑنگا کہا جاتا، کے ذریعے مخصوص مچھلی کے پورے غول کو جال میں لانے کی ترکیب لڑا رہا تھا۔ اس کے لیے اس نے ایک پائپ کا استعمال کیا جس کے منہ پر ایک بوتل باندھی گئی تھی۔ پائپ کو سمندر میں ڈال اس کا دوسرا سرا اپنے کان سے لگائے وہ کوئی آواز سننے کی کوشش کر رہا تھا۔

''کروکر کی آواز سننے کی کوشش کر رہا ہوں، تاکہ اندازہ لگا سکوں کہ مچھلی کہاں، کتنے فاصلے پر اور کتنی تعداد میں ہے۔ جگہ کا تعیّن کرنے کے بعد ہم اسی مقام پر جال پھینکیں گے۔ یہ مچھلی ان علاقوں میں زیادہ آتی ہے، جہاں تمر کے درخت ہوں۔ درختوں کے پاس ان کے لیے موزوں جگہ وہ ہے، جہاں سمندر میں میٹھا پانی آ کر ملے۔ ہم اس وقت جہاں ہیں اُدھر ایران کے علاقے سے میٹھا پانی آ کر سمندر میں شامل ہوتا ہے۔ پہلے بھی کئی بار یہاں جال لگا کر چھوڑ کر گیا ہوں پر کام یابی نہیں ملی۔۔۔''

''اللہ ہمیں ضرور کام یابی دے گا ابا۔۔۔ پر اس مچھلی کی آواز کیسی ہوتی ہے؟''

''پاکستان کے سمندر میں پائی جانے والی نایاب مچھلی کروکر کو اس کی کر کر کی آواز کی بدولت ہی کروکر پکارا جاتا ہے۔ یہ آواز وہ اپنے ساتھیوں سے رابطے رکھنے کے لیے نکالتی ہے۔''

''اوہ اچھا۔۔۔ یہ کتنی بڑی ہوتی ہیں اور اتنی قیمتی کیوں؟''

''کروکر کی جسامت ڈیڑھ میٹر تک اور وزن تیس سے پچاس کلو ہو سکتا ہے۔ یہ پورا سال شکار کی جا سکتی ہے، لیکن مئی سے جولائی تک اس کی دست یابی سہل ہوتی ہے۔ کھاڑیاں، ساحلی علاقے اور کھلا سمندر اس کی آماج گاہ ہے۔ پاکستان میں یہ مچھلی سندھ اور بلوچستان کے سمندری پانی کی تہ میں پائی جاتی ہے۔ مئی سے جون ان مچھلیوں کے انڈے دینے کا موسم ہوتا ہے۔ ایران اور پاکستان کا درمیانی سمندری علاقہ انھیں موزوں ترین لگتا ہے، اسی لیے یہ ان دنوں میں یہاں بڑی تعداد میں ہوتی ہیں، لیکن اس مچھلی کا شکار ہرگز سہل نہیں۔''

خدا بخش نے اسے تفصیل سے سمجھایا اور پھر سے پائپ تھام لیا۔

''اللہ جی! ہمیں آج کر کر کی آواز والی نایاب مچھلی مل جائے۔۔۔'' اپنے باپ کو پائپ کان سے لگائے دیکھ اس نے صدقِ دل سے دعا کی۔ تبھی اسے دبی دبی آواز سنائی دی۔

''رحیم بخش جلدی کر۔ جال پھینکنے کی بسم اللہ کریں۔ وہ دیکھ صاف پانی اُدھر سے گدلا ہو رہا ہے۔'' خدا بخش نے ایک جانب اشارہ کیا اور مزید کہا۔

''سمندر میں جہاں صاف شفاف پانی ہو اور اگر اُدھر تہ سے مٹّی اوپر کی طرف آ کر پانی کو گدلا کرتی دکھائی دے تو یہ اس مچھلی کی موجودگی کی نشانی ہے۔''

باپ بیٹے نے اللہ کا نام لے کر فوراً اس مقام پر جال پھینک دیا تھا۔ اب اگلا مرحلہ کشتی کو گدلے پانی کے گرد دائرے میں گھمانے کا تھا۔ اس دوران دونوں دم سادھے مکمل خاموشی اختیار کیے بیٹھے رہے، تاکہ شور سے مچھلیاں بھاگ نہ جائیں۔

''کیا آج کوئی معجزہ ہونے والا ہے؟'' رحیم بخش کا ننھا دماغ سوالات میں الجھا رہا جب کہ دل محوِ دعا تھا۔

کافی دیر گزر گئی تو خدا بخش کو یوں لگا جیسے جال میں ہل چل ہوئی ہے۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی اور ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئیں۔ اس نے اپنے بیٹے کی پانی پر جمی آنکھوں میں امید کی لو دیکھی۔

''دیکھو میرے بچے، میں جال کا نچلا حصّہ پہلے اوپر اٹھاؤں گا، تاکہ مچھلیاں بھاگ نہ سکیں۔ جال کو جب پانی کی سطح کے قریب لے آؤں تو اس پر ڈیزل چھڑک دینا، سمجھ گئے؟ یوں مچھلیاں بے ہوش ہو جائیں گی، ورنہ یہ مچھلیاں اتنی طاقت ور ہوتی ہیں کہ اگر ان پر ڈیزل نہ ڈالیں تو آزادی کے لیے سر توڑ جدوجہد کرتے بسا اوقات جال توڑ کر ہاتھ سے نکل جاتی ہیں تو کوئی غلطی تو نہیں کرے گا ناں؟'' خدا بخش نے سرگوشی کے انداز میں اسے سمجھایا تو رحیم بخش نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ جال اوپر کھینچنے تک کے لمحات ان پر بھاری تھے۔ خدا جانے وہ تھا بھی یا نہیں، جس کی وہ آس لگائے بیٹھے تھے۔

کروکر نسل کی مشہور نایاب مچھلی اپنے سفید رنگ کے پھیپھڑے/ ہوا کی تھیلی جسے بلوچی زبان میں پھوٹو اور سندھی زبان میں پھوٹی کہتے، کی بدولت بیش قیمتی گردانی جاتی تھی۔ جس مچھلی کا حجم بڑا اور وزن زیادہ ہوتا، اس کی ہوا دانی بھی اتنی ہی بڑی ہوتی۔ نر کروکر مچھلیوں کے پھیپھڑے بڑے ہونے کے باعث مادہ کروکر کے مقابلے میں نر کروکر کی قیمت زیادہ لگتی تھی۔ اس کا استعمال مخصوص قسم کی ادویات میں ہوتا اور اس کی امرا کے ہاں خوب مانگ تھی۔ ایک بار صوبہ بلوچستان کے ساحلی ضلع گنز سے چند خوش قسمت ماہی گیروں کے جال میں اکٹھی اٹھارہ کروکر مچھلیاں آئیں جو انھوں نے کئی لاکھ میں فروخت کی تھیں۔ بلوچی زبان میں ''کر'' جب کہ سندھی اور اردو زبانوں میں ''سوا'' کہلانے والی مچھلی کا سائنسی نام ''ارگائیروسومس جیپونیکس'' تھا۔ نایاب مچھلی کے بیشتر خریدار کراچی میں موجود بڑے تاجر تھے جن کے ایجنٹ مختلف ساحلی علاقوں میں پھیلے تھے۔ خوش قسمت ماہی گیروں سے نایاب مچھلی خرید کر مقامی تاجر اسے برف میں محفوظ کر کے کراچی لاتے، جہاں ماہر افراد مچھلی کا پیٹ چاک کر ہوا کی تھیلی نکالتے اور پھر بڑے تاجر انھیں بیرون ملک برآمد کر دیتے۔ سبھی مچھلیوں میں پائے جانے والی ہوا کی تھیلیاں کروکر مچھلی میں ذرا موٹی اور اچھی قسم کی ہوتیں، تبھی اس کی قیمت لاکھوں میں تھی۔ اس کے طبّی استعمال کی وجہ سے چین، جاپان، ہانگ کانگ اور متعدّد یورپی ممالک میں اس کی بہت مانگ تھی۔ اس سے بننے والے سوپ کو چین، یورپ اور دیگر ممالک میں لوگ بطور ایک پر تعیش غذا کے طور نوش فرماتے۔ جسمانی طاقت کو بڑھانے کے علاوہ کیلشیم زیادہ ہونے کی بدولت کروکر کی ہوا دانی ریڑھ کی ہڈی کی مضبوطی اور بناؤ سنگھار کی اشیا کی تیاری کے لیے بھی کارآمد سمجھی جاتی۔ مزید برآں انسانی جسم کے اندرونی اعضا میں دورانِ سرجری لگائے جانے والے ٹانکوں بالخصوص دل کے آپریشن میں کروکر مچھلی کے پھیپھڑے سے بنے دھاگے ٹانکے لگانے کے لیے استعمال ہوتے جو جیلی کی طرح انسانی بدن میں جذب ہو جاتے اور زخم کو جما دیتے۔ یوں سرجری میں ٹانکے لگانے کے بعد ان کو نکالنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ چینی باشندے کروکر کی سوکھی ہوا دانی کو گھر میں بطور شان و شوکت کی علامت کے رکھتے اور بہ وقتِ ضرورت اسے منہ مانگے داموں فروخت کر دیتے۔

نایاب مچھلی کروکر کی بدولت آج پھر بلوچستان کے ساحلی علاقے جیوانی میں جشن کا سا سماں تھا۔ خبریں گرم تھیں کہ

''جیوانی کے سمندر سے پکڑی گئی نایاب کروکر مچھلی 1 کروڑ 35 لاکھ 80 ہزار روپے میں نیلام کر دی گئی۔ نایاب مچھلی کا وزن 48 کلو 500 گرام ہے، جسے 2 لاکھ 80 ہزار روپے فی کلو کے حساب سے فروخت کیا گیا۔۔۔''

خدا بخش پھولے نہیں سما رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ یہ سب رحیم بخش کے نصیب سے اسے ملا ہے اور رحیم بخش تو یہ سوچ سوچ کر ہی خوشی سے پاگل ہوا جا رہا تھا کہ وہ، اس کا چھوٹا بھائی اور والدین اچھی خوراک کھائیں گے اور اچھے گھر میں رہیں گے۔ وہ اچھے اسکول میں تعلیم حاصل کرے گا اور ایک دن بڑا افسر بن کر اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کرے گا جو اس کے باپ نے جاگتی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

Saiban
FOR ORPHANS
BAITUSSALAM

یتیموں کا سائبان
بیت السلام

بیت السلام کر رہا ہے یتیم بچوں کی کفالت آپ کے تعاون سے آئیں اس نیک کام میں ہمارا ساتھ دیں

ضروریات:

- کرنٹ پاسپورٹ سائز بچوں کی تصویر
- بے فارم
- سی این آئی سی ماں اور باپ کی کاپی
- والد کا ڈیتھ سرٹیفکیٹ
- اسکول مارک شیٹ / اسکول کارڈ

شرائط:

- عمر 12 سال سے کم ہو
- بچہ اسکول کا طالبِ علم ہو

Address:
Baitussalam Imdadi Markaz,Mezzanine Floor,Chapal Beach Arcade III, Clifton Block 4, adjacent to Imtiaz super store and oppositeHyperstar Carrefour super store Karachi.
(For Karachi Residents Only)

+92 333 4632340 +92 021 35290156

ماحولیاتی تبدیلی

فوزیہ خلیل

موسلادھار بارش ہو رہی تھی۔ خزیمہ اور عکاشہ کھڑکی سے باہر جھانک رہے تھے کہ دادا جان اندر داخل ہوئے۔

”دادا جان! کتنی تیز بارش ہو رہی ہے۔ امی کہتی ہیں کراچی میں پہلے کبھی اتنی بارشیں نہیں ہوتی تھیں۔“ خزیمہ نے دادا جان کی جانب مڑ کر کہا۔ ”ہاں بیٹا! ماحولیاتی تبدیلی اور اُس کے اثرات آہستہ آہستہ دکھائی دینا شروع ہوگئے ہیں۔ کراچی میں ہر سال بڑھتی بارشیں اس ہی کی مثال ہیں۔ دراصل ماحول کی خرابی کے اثرات صرف ماحول تک ہی محدود نہیں رہتے بلکہ سارا نظامِ زندگی اس دگرگوں صورتِ حال سے متاثر ہوتا ہے۔“ خزیمہ نے کچھ سمجھ جانے کے انداز میں سر ہلایا، مگر عکاشہ بول اٹھا۔

آپ کی بات کا کیا مطلب ہے؟ یہ ماحولیاتی تبدیلی کیا ہے؟ کیا ہم اس سلسلہ میں کچھ کر سکتے ہیں؟

”عکاشہ بیٹا! حضرتِ انسان ہر سال تقریباً 15-16 ارب درخت کاٹ دیتا ہے۔ دُنیا میں درختوں کی تعداد میں تقریباً ۴۵ فیصد کمی آچکی ہے۔ روز بروز ہمارے ماحول کی صورتِ حال بگڑتی ہی چلی جا رہی ہے۔ ہم اپنے ہی ہاتھوں اپنے ماحول کو آلودہ کر رہے ہیں۔“

”دادا جان! ماحول کس طرح آلودہ ہوتا ہے؟“

”دیکھو بیٹا! ہمارے ارد گرد ہر شے ہمارا ماحول ہے۔ ہماری لاپروائی اور بے حسی سے یہ ماحول آلودہ ہوتا ہے۔ یہ کرّۂ ارض تو ہمارا گھر ہے، یہاں تقریباً ۸ ارب انسان رہتے ہیں، مگر ہم کیسے لوگ ہیں جوں جوں ترقی کر رہے ہیں اپنی زمین کو خود ہی نقصان پہنچا رہے ہیں۔ آلودگی سے ہر سال دنیا میں تقریباً 70 لاکھ افراد موت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں۔“

”اُف! اتنے سارے لوگ، بچوں کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔“ ”انسان کے طرزِ زندگی اور قانونِ قدرت میں تضاد نہیں ہونا چاہیے، قدرت نے ماحول کی خوب صورتی اور پاکیزگی کے لیے ہمیں پودوں اور درختوں کی صورت میں عظیم نعمت دی ہے، جب ہم قدرت کے اس تحفے کی ناقدری کرتے ہیں تو اس میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ ہماری زمین کا قدرتی حُسن تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ ہم جس فضا میں سانس لے رہے ہیں، وہ زہریلی گیسوں سے آلودہ ہو چکی ہیں۔ ضعیف، کم زور افراد اور بچے ان کا جلد نشان بنتے ہیں۔“ دادا جان کہتے چلے گئے۔

دادا جان! کیا صرف درختوں کے کاٹنے سے ہماری یہ فضا آلودہ ہوتی ہے؟ عکاشہ نے سوال کیا۔

”نہیں بیٹا! فضائی آلودگی کی تو بہت سی وجوہ ہیں، کچھ آفات تو قدرتی ہوتی ہیں، جیسے کہیں آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑتے ہیں یا جنگلات میں آگ لگ جاتی ہیں، مگر اکثر عوامل انسان کے خود پیدا کردہ ہیں۔ ہماری فیکٹریاں اور صنعتیں مختلف نامیاتی مرکبات اور زہریلی گیسوں کا اخراج کرتی ہیں۔ یہ سب ہماری فضا میں شامل ہوتی ہیں۔ گاڑیوں اور فیکٹریوں سے نکلتا ہوا دھواں ہماری زمین کے درجۂ حرارت کو بڑھاتا ہے، اس گرمی کی حدّت اور تپش سے گلیشیئر زیعنی برفانی تودے زیادہ تیزی سے پگھلنے لگتے ہیں اور یوں بارشوں میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔“ دادا جان کی بات بچوں کی سمجھ میں آنے لگی تھی۔

”اچھا تو پھر یوں تیز بارشیں ہوتی ہیں اور تیز بارشوں کے اپنے نقصانات ہیں۔ تیز بارشوں سے سیلابی صورتِ حال ہو جاتی ہے۔ 2022 میں وطنِ عزیز میں سیلاب سے وبائی امراض پھوٹ پڑے تھے۔ کاشتکاری ممکن نہیں رہی تھی۔ غذائی قلّت پیدا ہو گئی تھی۔ ہزاروں افراد موت کے گھاٹ اتر گئے تھے۔ صرف صوبۂ سندھ میں ۲۰۵ ملین ایکڑ رقبہ پر پانی کھڑا تھا۔ پانی کی نکاسی کا انتظام کرنا ایک گھمبیر مسئلہ تھا۔ اس سیلابی آفت سے نمٹنے کے لیے ہمارے پاس وسائل بھی ناکافی تھے۔ صرف صوبۂ سندھ میں تیار فصلوں کے نقصان کا تخمینہ تقریباً ایک اعشاریہ تین بلین ڈالر تھا۔ بچے یہ باتیں سن کر حیرت زدہ رہ گئے۔

”ہم صنعتی فضلہ دریاؤں اور نہروں میں بہا دیتے ہیں، اس سے سمندری حیات تباہی کا شکار ہوتی ہے۔ آبی جانور یعنی مچھلیاں وغیرہ یہ زہریلا پانی پی پی کر ہلاکت سے دوچار ہو جاتی ہیں۔“ دادا جان اب رُک گئے تھے، وہ بہت دل گرفتہ دکھائی دے رہے تھے۔

”دادا جان فضائی آلودگی کی بس یہی وجوہ ہیں؟؟“ خزیمہ نے سوال کیا۔

”بیٹا! کارخانوں اور گاڑیوں کے علاوہ سگریٹ سے بھی دھواں نکلتا ہے۔ یہ فضا کو بھی آلودہ کرتا ہے اور ہمارے سانس کے نظام کو بھی سخت متاثر کرتا ہے۔ سگریٹ تو نری بیماری ہی بیماری ہے۔ ہم قدرتی ایندھن یعنی تیل، گیس اور کوئلہ جلاتے ہیں، اس سے بھی مضرِ صحت گیسیں خارج ہوتی ہیں۔ فضا میں ہوائی جہاز اڑتے ہیں، پانی میں کشتیاں اور بحری جہاز ہوتے ہیں۔ زمین پر ریل گاڑیاں بسیں، رکشہ، ٹرک غرض ہر چیز دھویں کا اخراج کرتی ہے۔“ دادا جان سانس لینے کو رُکے۔

”مگر دادا جان! ہم اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟“ کچھ بھی نہیں، ہماری انفرادی کاوش بھلا کیا رنگ لائے گی؟ عکاشہ نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

”پہلی بات تو یہ ہے کہ مایوسی گناہ ہے۔ ہمیں اللہ رب العزت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ ہم انفرادی طور پر بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ ہر فرد اپنے حصے کا کام کرے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنا دینی، قومی اور اخلاقی فریضہ ادا کرتے رہیں۔ درختوں کی افزائش کریں یعنی شجر کاری کو فروغ دیں۔“

”دادا جان! ہر گھر میں اتنی گنجائش کہاں ہوتی ہے کہ درخت لگا سکیں؟“ خزیمہ نے کہا۔

”ہر فرد صرف ایک ہی پودا لگائے، آپ کے پاس جگہ نہ ہو تو گملے رکھ لیں، اس سے گھر خوش نما بھی ہوگا اور ماحول بھی صاف ہوگا۔ درختوں کو قدرت نے یہ طاقت عطا کی ہے کہ وہ ماحول کو آلودہ کرنے والی گیس یعنی کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کر لیتے ہیں اور ہمیں صاف ہوا یعنی آکسیجن دیتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے دادا جان اور اس کے علاوہ ہم کیا کر سکتے ہیں؟“

”بیٹا! ہمیں اپنے رہن سہن میں تبدیلی لانا ہوگی۔ ہمیں چاہیے کچرے کو کھلا نہ چھوڑیں، جگہ جگہ کچرا نہ پھینکیں، کچرا عام طور پر پلاسٹک پر مشتمل ہوتا ہے۔ پلاسٹک بہت خطرناک ہے۔ پلاسٹک جلانا تو اور بھی مضر ہے۔ اس سے کاربن مونو آکسائیڈ جیسی زہریلی گیس پیدا ہوتی ہے۔“ دادا جان بولے۔

”اور کچھ بتائیے دادا جان!“ ”ہم کو چاہیے پیدل چلیں۔ مختصر فاصلے کے لیے پیدل چلنے کو ترجیح دیں۔ گاڑیاں کم استعمال کریں۔ پیدل چلنا اور سائیکل چلانا تو ورزش ہے۔ پانی ضایع نہ کریں۔ پانی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ بجلی ضایع نہ کریں۔ گیس ضایع نہ کریں۔ گھر کے آلات بجلی اور چولہے وغیرہ کام مکمل ہو جانے کے بعد بند کر دیں۔ پلاسٹک کی تھیلیاں اور پلاسٹک کی اشیا استعمال کرنے سے گریز کریں۔“ دادا جان نے کہا۔

”دادا جان! میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا، حکومتِ پاکستان 2023 تک دس بلین درخت لگانے کا عزم رکھتی ہے۔“ خزیمہ بولا۔

”جزاک اللہ دادا جان! آپ نے ہم کو اتنی اچھی اچھی باتیں بتائیں، اب ہم یہ اپنے دوستوں کو بھی بتائیں گے۔ عکاشہ نے کہا۔“

بچوں کے فن پارے

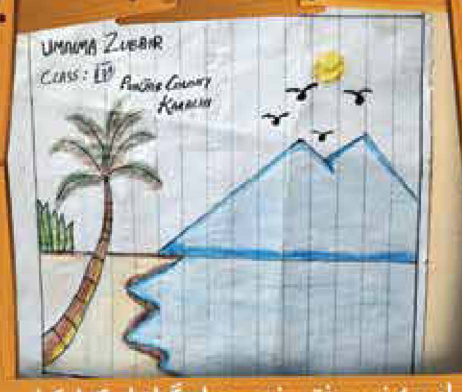

اُمیمہ زبیر ہفتم نجم دہلی گرلز اسکول کراچی

سارہ عمیر 9سال زکریا الخیر

زینب 4 سال کراچی

عدن احسان ، ہفتم ، فیصل آباد

عبد الباری 6سال گیٹ وے اسکول کراچی

عائشہ نور، ششم ،10 سال، روضۃ السلام کراچی

عفرا نور، چہارم، 9 سال روضۃ السلام کراچی

ہر ماہ ایک فن پارے پر300 روپے انعام دیا جاتا ہے گزشتہ ماہ **جویریہ بنت عبد الرحمن** کا فن پارہ انعامی قرار پایا ہے، انہیں 300 روپے مبارک ہوں (ادارہ)

پیارے بچوں!!!

کراچی میں تو سردی بس دسمبر جنوری میں ہی کچھ ہوتی ہے وہ بھی بس برائے نام ہی، لیکن ملک کے دوسرے علاقوں بالائی علاقوں میں بہت ہی کڑاکے کی سردی پڑتی ہے، بیت السلام ویلفیر ٹرسٹ ہر سال موسم سرما میں ہزاروں گھرانوں میں کمبل تقسیم کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔اس بار بھی یقینا یہ پروگرام ہوگا۔اس بار اس لیے بھی بہت شدت سے ضرورت ہوگی کہ ہزاروں گھرانے جو سیلاب سے متاثر ہوئے تھے وہ خیمہ بستیوں میں رہ رہے ہیں اور یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ خیمے سردی سے بچاؤ کے لیے بالکل ناکافی ہوتے ہیں۔تو کیوں نہ ہم میں سے ہر گھر کم از کم ایک کمبل اپنے ذمے لے لے۔اس طرح ہزاروں گھرانوں کے لیے بیت السلام کی کوشش کا ہم بھی حصہ بنیں گے۔خدمتِ خلق کا ثواب ملے گا۔جن کو یہ کمبل ملیں گے ان کی دعائیں ہمیں لگیں گی ان شاء اللہ!

ہمیں امید ہی نہیں بھرپور یقین ہے کہ پیارے بچے اپنے گھر والوں کو اس طرف توجہ دلائیں گے

ایسا ہی ہے نا!!!!!!

ماہنامہ فہم دین نومبر2022ء کے سوالات

سوال 1: ماہ نور کو کیا الجھن تھی؟

سوال2: اسرار کو کیا دھن سوار تھی؟

سوال3: بوڑھے مگرمچھ نے کیا کہا؟

سوال4: حارث نے کیا پینے کو منع کیا؟

سوال 5: چیونٹیاں عقاب کے لیے کیا لائی تھیں؟

اگست2022ء کے سوالات کے جوابات

جواب1: سورہ مریم

جواب2: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

جواب3: ہیلو

جواب4: چوہا

جواب5: سو روپے

اگست2022ء کے سوالات کا درست جواب دینے پر کراچی سے محمد اشرف بن محمد اکرم کو شاباش انہیں 300 روپے مبارک ہوں

سنیے!!!!

انعامی سوالات کے جوابات بھیجیں یا فن پارہ اپنا نام، عمر کلاس اسکول/مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے موبائل نمبر ضرور لکھیں۔جوابات اور فن پارہ وٹس ایپ کرنے کے لیے نمبر نوٹ کر لیں

03351135011

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

جہاں میں ہیں عبرت کے ہر سُو نمونے　　مگر تجھ کو اندھا کیا رنگ و بُو نے
کبھی غور سے بھی یہ دیکھا ہے تُو نے　　جو معمور تھے وہ محل اب ہیں سُونے
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

ملے خاک میں اہلِ شاں کیسے کیسے　　مکیں ہو گئے لا مکاں کیسے کیسے
ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے　　زمیں کھا گئی نوجواں کیسے کیسے
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

زمیں کے ہوئے لوگ پیوند کیا کیا　　مُلوک و حُضور و خداوند کیا کیا
دِکھائے گا تو زور چند کیا کیا　　اَجل نے پچھاڑے تنومند کیا کیا
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

اَجل نے نہ کسریٰ ہی چھوڑا نہ دارا　　اسی سے سکندر سا فاتح بھی ہارا
ہراِک لے کے کیا کیا حسرت سِدھارا　　پڑا رہ گیا سب یہیں ٹھاٹھ سارا
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

یہاں ہر خوشی ہے مبدل بہ صد غم　　جہاں شادیاں تھیں وہیں اب ہیں ماتم
یہ سب ہر طرف انقلاباتِ عالم　　تری ذات ہی میں تغیر ہیں ہر دم
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

تجھے پہلے بچپن نے برسوں کھلایا　　جوانی نے پھر تجھ کو مجنوں بنایا
بڑھاپے نے پھر آ کے کیا کیا ستایا　　اَجل تیرا کردے گی بالکل صفایا!

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

یہی تجھ کو دُھن ہے رہوں سب سے بالا　　ہو زینت نرالی، ہو فیشن نرالا!
جیا کرتا ہے کیا یوں ہی مرنے والا　　تجھے حسنِ ظاہر نے دھوکے میں ڈالا
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

وہ ہے عیش و عشرت کا کوئی محل بھی　　جہاں تاک میں کھڑی ہو اجل بھی
بس اب اپنے اس جہل سے تو نکل بھی　　یہ طرزِ معیشت اب اپنا بدل بھی
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

یہ دنیائے فانی ہے محبوب تجھ کو　　ہوئی واہ کیا چیز مرغوب تجھ کو
نہیں عقل اتنی بھی مجذوب تجھ کو　　سمجھ لینا اب چاہیے خوب تجھ کو
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

بڑھاپے سے پا کر پیامِ قضا بھی　　نہ چونکا نہ چیتا نہ سنبھلا ذرا بھی
کوئی تیری غفلت کی ہے انتہا بھی　　جنوں تابکے ہوش میں اپنے آ بھی
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

نہ دلدادہ شعر گوئی رہے گا　　نہ گرویدہ شُہرہ جوئی رہے گا
نہ کوئی رہا ہے نہ کوئی رہے گا　　رہے گا تو ذکر نکوئی رہے گا
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

جب اس بزم سے اٹھ گئے دوست اکثر　　اور اٹھتے چلے جا رہے ہیں برابر
یہ ہر وقت پیشِ نظر جب ہے منظر　　یہاں پر ترا دل بہلتا ہے کیوں کر
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

جہاں میں کہیں شورِ ماتم بپا ہے　　کہیں فکر و فاقہ سے آہ و بُکا ہے
کہیں شکوہ جور و مکر و دغا ہے　　غرض ہر طرف سے یہی بس صدا ہے
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

گلدستہ

ترتیب و پیشکش: شیخ ابو بکر، عبدالرحمن چترالی

حمدِ باری تعالیٰ

تجھی سے ابتدا ہے، تو ہی اِک دن انتہا ہوگا
صدائے ساز ہوگی اور نہ سازِ بے صدا ہوگا
ہمیں معلوم ہے، ہم سے سنو، محشر میں کیا ہوگا
سب اُسے دیکھتے ہوں گے، وہ ہم کو دیکھتا ہوگا
سرِ محشر ہم ایسے عاصیوں کا اور کیا ہوگا
درِ جنت نہ وا ہوگا، درِ رحمت تو وا ہوگا
جہنم ہو کہ جنت، جو بھی ہوگا فیصلہ ہوگا
یہ کیا کم ہے؟ ہمارا ور اُن کا سامنا ہوگا
ازل ہو یا ابد، دونوں اسیرِ زلفِ حضرت ہیں
جدھر نظریں اٹھاؤ گے، یہی ایک سلسلہ ہوگا
یہ نسبت عشق کی بے رنگ لائے رہ نہیں سکتی
جو محبوبِ خدا کا ہے، وہ محبوبِ خدا ہوگا
اسی اُمید پر ہم طالبانِ درد جیتے ہیں
خوشا! دردے کہ تیرا درد، دردِ لادوا ہوگا
نگاہِ قہر بھی جان و دل سب کھوئے بیٹھا ہے
نگاہِ مہر عشق پر اگر ہوگی تو کیا ہوگا
یہ مانا! بھیج دے گا ہم کو محشر سے جہنم میں
مگر جو دل پہ گزرے گی، وہ دل ہی جانتا ہوگا
سمجھتا کیا ہے تو دیوانگانِ عشق کو، زاہد!
یہ ہوجائیں گے جس جانب، اُسی جانب خدا ہوگا
جگرؔ کا ہاتھ ہوگا حشر میں اور دامنِ حضرتؐ
شکایت ہو کہ شکوہ، جو بھی ہوگا برملا ہوگا

شاعر: جگر مراد آبادی

نعت

زیست جب تک انؐ کے خدوخال میں آئی نہ تھی
قدرتِ بے مثل آپ اپنی تماشائی نہ تھی
پیکرِ حکمت سے پہلے نسخۂ حکمت سے قبل
لفظ میں معنی تو تھے، معنی میں گہرائی نہ تھی
آپؐ کو دیکھا تو نادانوں کی آنکھیں کھل گئیں
تھے خدا سے آشنا، خود سے شناسائی نہ تھی
جب خدا کے ساتھ کانوں میں پڑا نامِ رسولؐ
زندگی پھر بزمِ جاں تھی، قیدِ تنہائی نہ تھی
اِک چراغاں کی سی کیفیت مری رگ رگ میں ہے
کب مرے مولاؐ کی ایسی روح افزائی نہ تھی

شبنمؔ رومانی

ایک قلم کے لیے .....

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے نام سے کون ناواقف ہوگا۔ اپنے دور میں امام المسلمین تھے، ان کے زہد و تقویٰ اور دعوت و جہاد کے ولولہ انگیز و ایمان افروز واقعات پڑھ کر آج بھی آدمی کے ایمان میں تازگی، روح میں بالیدگی اور جذبات میں زندگی کی موجیں مچلنے لگتی ہیں۔ ایک مرتبہ انھوں نے شام میں کسی سے قلم مستعار لیا اور واپس کرنا بھول گئے، ایران کے شہر مرو آباد ہوئے تو وہ قلم یاد آیا، وہاں سے دوبارہ شام کا سفر کیا اور جا کر قلم اس کے مالک کو لوٹایا۔

(کتابوں کی درسگاہ میں، ابن الحسن عباسی، ص:53)

حکیم الامت کا ایک خط بنام قائداعظم

حکیم الامت نے اپنے ایک ملفوظ میں فرمایا:
جس زمانے میں کانگریس، مسلم لیگ سے مفاہمت کی گفتگو کررہی تھی، میں نے ایک خط مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح کو اس مضمون کا لکھا تھا کہ مفاہمیت میں چوں کہ مسلمانوں کے اُمورِ دینیہ کی حفاظت نہایت اہم اور بہت ضروری ہے۔ اس لیے شرعیات میں آپ اپنی رائے کا بالکل دخل نہ دیں بلکہ علما محقّقین سے پوچھ کر عمل فرمائیں۔

(افاداتِ اشرفیہ درمسائل سیاسیہ ص:96)

جوابِ قائد اعظم

مولانا اشرف علی صاحب کے خط کے جواب میں قائدِ اعظم نے لکھا:
آپ کا والا نامہ ملا، بڑی مسرت ہوئی۔ اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں، میں آپ کی ہدایات پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔ آیندہ بھی آپ مجھے ہدایت فرماتے رہیں۔

(حیات امداد رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد انوار الحسن شیرکوٹی، ص:52)

دل کی اصلاح کا تیر بہدف نسخہ

حکیم الامت مجدّد ملّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ایک تو دین کی کتابیں دیکھنا یا سننا، دوسرا مسائل دریافت کرتے رہنا، تیسرا اہلُ اللہ کے پاس آنا جانا اور اگر ان کی خدمت میں آمدورفت نہ ہوسکے تو بجائے ان کی صحبت کے ایسے بزرگوں کی حکایات و ملفوظات ہی کا مطالعہ کرنا یا انھیں سن لیا کرنا، ساتھ ہی اگر تھوڑی دیر ذکر اللہ بھی کرلیا جائے تو یہ اصلاحِ قلب میں بہت ہی معین ہے اور اسی ذکر کے وقت میں سے کچھ وقت محاسبہ (یعنی محاسبہ نفس) کے لیے نکال لینا چاہیے، جس میں اپنے نفس سے اس طرح کی باتیں کرنی چاہییں۔

اے نفس! ایک دن دنیا سے جانا ہے، موت بھی آنے والی ہے، اس وقت یہ سب مال و دولت یہیں رہ جائے گا۔ بیوی، بچے سب تجھے چھوڑ دیں گے اور خدا تعالیٰ سے واسطہ پڑے گا، اگر تیرے پاس نیک اعمال زیادہ ہوئے تو بخشا جائے گا اگر گناہ زیادہ ہوئے تو جہنم کا عذاب بھگتنا پڑے گا، جو برداشت کے قابل نہیں ہے۔ اس لیے تو اپنے انجام کو سوچ اور آخرت کے لیے کچھ سامان کر یہ عمر بڑی قیمتی دولت ہے۔

(سکونِ قلب، مولانا اشرف علی تھانویؒ، ص:79)

پیارے نبی ﷺ اور یہودی

ہمارے پیارے نبی ﷺ اپنے صحابہؓ کے ہم راہ کہیں جارہے تھے۔ راستے میں ایک یہودی ملا اور حضور ﷺ کو مخاطب کرکے کہنے لگا: ”السام علیک“ تجھ پر موت ہو۔ پیارے نبی ﷺ نے بس اسی قدر کہا: وعلیک پھر میرے حضور ﷺ صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہوئے اور پوچھا: پتا چلا ہے وہ مجھے کیا کہہ گیا ہے؟ وہ مجھے السام علیک کہہ گیا ہے۔ صحابہ طیش میں آگئے۔ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! اجازت چاہیے، ہم اسے قتل کرتے ہیں۔ پیارے نبی ﷺ نے فرمایا: ہرگز نہیں۔

اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں سلام میں الفاظ کا چناؤ صحیح کرنا چاہیے۔

(پیارے رسول کے پیارے اخلاق، محمد مشتاق کلوٹا، ص:90)

حضرت عمر عبدالعزیز کی اہم نصیحت

حضرت عمر عبدالعزیزؒ نے ایک شخص کو خط میں یہ نصائح لکھیں کہ میں تجھے تقویٰ کی تاکید کرتا ہوں، جس کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا اور اہلِ تقویٰ کے سوا کسی پر رحم نہیں کیا جاتا اور اس کے بغیر کسی چیز پر ثواب نہیں ملتا، اس بات کا وعظ کہنے والے تو بہت ہیں، مگر عمل کرنے والے بہت کم ہیں۔

اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تقویٰ کے ساتھ کوئی چھوٹا سا عمل بھی چھوٹا نہیں ہے اور جو عمل مقبول ہوجائے وہ چھوٹا کیسے ہوسکتا ہے۔

(بکھرے موتی، مولانا محمد یونس صاحب، ج:1ص:63)

پانچ ہزار کتابوں کا نچوڑ

ایک بزرگ کا قول ہے کہ میں نے پچاس سال میں پانچ ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا اور ان میں سے صرف پانچ باتوں کو عمل کے لیے منتخب کیا۔

1. اے نفس! اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے پر راضی رہ، ورنہ کوئی دوسرا مالک تلاش کرجو اس سے زیادہ دینے والا ہو۔
2. اے نفس! جن باتوں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے، ان سے بچ، ورنہ اللہ کے ملک سے باہر چلا جا۔
3. اے نفس! اگر تو گناہ کرنا چاہے تو کوئی ایسی جگہ تلاش کر جہاں خدا تعالیٰ نہ دیکھے، ورنہ گناہ مت کر۔
4. اے نفس! تو اپنے پروردگار کی عبادت کرتا رہ، ورنہ اس کا دیا ہوا رزق مت کھا۔
5. اے نفس! خلقِ خدا کے ساتھ خوش خلقی اور ہم دردی سے پیش آ، ورنہ اپنی زبان بند رکھ اور کسی کے ساتھ تعلق نہ رکھ۔

(علمی موتی، مولانا زر محمد، ص:53)

بیت السلام خدمت خلق کے سینکڑوں شعبوں میں ہمہ وقت مصروف ہے

رپورٹ: خالد معین

عالمی شہرت یافتہ رفاہی ادارہ بیت السلام ویلفیر ٹرسٹ ہمہ وقت خدمتِ خلق کے سینکڑوں شعبوں میں کام جاری رکھے ہوئے ہے جس سے بلا مبالغہ ہر ماہ لاکھوں لوگ مستفید ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ: ☆اس وقت سیلاب سے بے گھر ہونے والے گھرانوں کے لیے ملک بھر میں اہل خیر کے تعاون سے مکانات کی تعمیر جاری ہے۔

☆ہزاروں گھرانے جو خیمہ بستیوں میں مقیم ہیں، ان کے لیے پینے کے پانی، غذا سمیت ضروری اشیاءِ ضرورت کی فراہمی بدستور جاری ہے۔

☆ موسم سرما میں ملک بھر کے پس ماندہ علاقوں میں مستحق ضرورت مند گھرانوں کے لیے گرم لباس اور کمبل کی فراہمی ہر سال ہوتی ہے اس سال بھی خدمت کا یہ شعبہ تن دہی سے مصروف عمل ہے۔ اس سال سیلاب سے متاثر ہزاروں گھرانے جو خیمہ بستیوں میں رہائش رکھے ہوئے ہیں، اس شعبے کا مرکز نگاہ ہیں۔ بیت السلام انہیں گرم لباس اور کمبل فراہمی کا اہتمام کیے ہوئے ہے۔

عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

بحال پاکستان

آؤ کریں پھر سے آباد پیارے وطن کو۔!

BAITUSSALAM

مکانات، اسکولوں کی تعمیر اور روزگار کی فراہمی

Overseas donors

MONTHLY $ 10

YEARLY $ 120

ممبرشپ

ماہانہ 1000 روپے

سالانہ 12,000 روپے

ادائیگی کے 2 طریقے

1.

بیت السلام کے دفاتر میں ادائیگی

2.

تمام نئے ممبران کو 99911 سے بر ماہ ایک پیمنٹ لنک کے ساتھ ایک SMS بھی موصول ہوگا، اگر پہلے ہی ادائیگی کردی گئی ہو تو اسے نظرانداز کر دیا جائے۔ پے فاسٹ کے ذریعہ ادائیگی کے درج ذیل طریقے دستیاب ہیں۔

کارڈز: VISA PayPak

موبائل والیٹ: easypaisa, upaisa

بینک میں ڈائریکٹ ڈیبٹ کی سہولت دستیاب ہے

کسی بھی اے ٹی ایم جس میں 1LINK دستیاب ہو یا بینک / موبائل اور انٹرنیٹ بینکنگ / TCS سے ادائیگی ہو سکتی ہے۔

اے ٹی ایم کے لیے

ATM مشین میں کارڈ اور پن نمبر ڈالنے کے بعد اس تسلسل سے آپشن پر کلک کریں
bill payment > 1bill Voucher / Invoice Payments>
99911 سے موصول شدہ واؤچر نمبر درج کرکے ادائیگی مکمل کریں

کسی بھی 1LINK سے چلنے والے بینک یا TCS پر جائیں، نمائندے کو بتائیں کہ آپ بیت السلام کو 1LINK واؤچر کے ذریعے ادائیگی کرنا چاہتے ہیں، 99911 کے ذریعے موصول ہونے والا واؤچر فراہم کریں، کیش فراہم کریں اور رسید لیں

موبائل اور انٹرنیٹ بینکنگ صارفین

اپنے اکاؤنٹ میں لاگ ان کریں، بل کی ادائیگی پر جائیں، 1LINK کو منتخب کریں، 99911 کے ذریعے موصول ہونے والے واؤچر کو داخل کریں۔

ایک بڑا منصوبہ

Baitussalam USA بیت السلام

PayPal

PayPal.me/BaitussalamUSA

Zelle

donation@baitussalamusa.org

رجسٹریشن کے 4 طریقے

111 اور اپنا نام لکھ کر 83833 پر بھیجیں
مثلاً 111 TALHA

بیت السلام ویب سائٹ

بیت السلام موبائل ایپ

بیت السلام کے دفاتر